مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ

الامداد

لاہور
پاکستان

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

مدیر
خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ / فروری ۲۰۰۱ء	جلد ۲

سنت ابراہیم علیہ السلام

ازافادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپیہ — زرسالانہ =/۱۰۰ روپے

پتہ دفتر۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر ۴۴۸۰۶۰
۵۴۲۲۲۱۳

ماہنامہ الامداد

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریبی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ جامع مسجد قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی میں

۲۴ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ کو قربانی کے موضوع پر تین گھنٹہ میں بیان فرمایا

مولانا محمد ابراہیم صاحب کیرانوی نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ المسمّٰی بہ

سنت ابراھیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمّداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلّم

اما بعد: ففی حدیثہ صلی اللہ علیہ وسلّم قالوا ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم

اہمیت قربانی

چونکہ زمانہ قربانی کا قریب ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ قربانی کے مسائل ضروریہ بیان کئے جائیں، کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آجکل قربانی بوجہ لاپرواہی کے حسب قاعدہ نہیں کی جاتی، حالانکہ اُن قواعد کا لحاظ واہتمام نہایت ضروری ہے اور بعض اہل ثروت (۱) کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خود قربانی ہی کی طرف توجہ نہیں کرتے، حالانکہ ذی وسعت (۲) پر قربانی واجب اور اس کے ترک پر وعید (۳) وارد ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری

(۱) مال دار (۲) صاحب گنجائش (۳) اسکے چھوڑنے پر عذاب کی دھمکی بھی ہے۔

عیدگاہ کے قریب نہ آوے۔

عیدگاہ میں نماز عید کی اہمیت

یہ عیدگاہ وہ جگہ ہے جس میں حاضر ہونے کی تاکید اور ترغیب بیان فرمائی ہے کہ جن پر نماز عید واجب(۱) بھی نہیں بلکہ جن کو نماز پڑھنا جائز بھی(۲) نہیں، اُنکو بھی پہلے یہ حکم تھا کہ عیدگاہ میں حاضر ہوں، چنانچہ حیض والی عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ وہ بھی عیدگاہ میں حاضر ہوں حالانکہ حائضہ کو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مگر یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے کے ساتھ خاص تھا اس زمانے میں بسبب فتنہ(۳) کے یہ حکم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں تحقیق ہو چکا ہے۔ یہاں یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو عیدگاہ میں ضرور جانا چاہیے اور وہیں نماز ادا کرنا چاہئے۔ بعض لوگ اس میں تساہل(۴) کرتے ہیں اور بلا عذر اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیتے ہیں ہمارے فقہاء نے اس کو منع فرمایا ہے(۵) البتہ معذورین جو عیدگاہ جانیکی طاقت نہیں رکھتے ان کو اتنی اجازت دی ہے کہ ان کے واسطے بستی میں ایک امام رہ جائے یا ایسا ہی کوئی عذر شرعی ہے، ان کو بھی شہر کی مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور فقہاء یہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ قواعد سے جن کو وہ اپنی خداداد قوت اجتہاد سے سمجھے، کہتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ باری تعالیٰ کا فرمودہ ہے، مولانا فرماتے ہیں:

---

(۱) عورتوں پر نماز عید واجب نہیں (۲) یعنی حیض ونفاس والی عورتیں (۳) فتنہ عام ہونے کی وجہ سے (۴) سستی (۵) البتہ بڑے شہروں میں جہاں سب کا ایک عیدگاہ میں جمع ہونا مشکل ہو متعدد مساجد میں نماز عید ادا کی جاسکتی ہے

کفتۂ او کفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام نہیں بلکہ مبلغ اسلام ہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام ہیں یہ محض غلط اور باطل ہے۔ بلکہ بانی اسلام باری تعالی ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك (۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض مبلغ ہیں اور احکام دینی خدا کے نازل کردہ ہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام دین محمدیؐ ہے یعنی یہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کے موجد (۳) اور بنانے والے ہیں، بلکہ یہ تعبیر مجازی ہے۔ کیونکہ دین تو اللہ ہی کا ہے مگر چونکہ ہم کو بذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معلوم ہوا ہے اس نسبت خاصہ کی وجہ سے اس طرح تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

فقہاء مظہر قانون ہیں موجد نہیں

غرض اصل احکام خدا اور رسول کے ہیں فقہا کا صرف یہ کام ہے کہ انھوں نے اس قانون خداوندی کو جو بذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوں کو پہونچا تھا لوگوں پر ظاہر کر دیا ہے اور بذریعہ قیاس ایسے لوگوں کیلئے اچھی طرح توضیح (۴) و تفصیل

---

(۱) آپ ﷺ کا فرمانا اصل میں اللہ ہی کا فرمانا ہے اگرچہ وہ کلام عبداللہ یعنی حضور ﷺ کے منہ سے نکل رہا ہے (۲) اے رسول ﷺ جو کچھ آپ پر اترا ہے اسکو دوسروں تک پہونچا دیجئے سورۃ المائدہ آیت ۶۷ (۳) ایجاد کرنے والے (۴) وضاحت

کردی جو اس قانون کے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے تھے۔

اسی واسطے اصول وفقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت (١) اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ ججان ہائی کورٹ نے ایک مسئلہ کو طے کردیا ہو کہ وہ دراصل قانون کا ہی فیصلہ ہے جو ضرور صحیح مانا جائے گا کیونکہ ججاں مذکور واضعان قانون کے مقصود (٢) کو اچھی طرح سمجھتے ہیں ۔ لہذا انکا فیصلہ قانونی طور پر صحیح سمجھا جائیگا لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ ججان مذکور موجد قانون ہیں اور انہوں نے اپنے ایجاد کردہ قانون کے موافق یہ فیصلہ کیا ہے بلکہ وہ مظہر قانون (٣) کہلائیں گے۔ یہی مثال فقہاء کی ہے کہ وہ بھی مظہر قانون ہیں نہ کہ موجد۔

احکام الٰہی میں مقصود معرفت الٰہی ہے نکات نہیں

غرض اصل حکم یہ ہے کہ عیدگاہ میں جانا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ اس اجتماع و دیگر اجتماعات کی مثل جماعت جمعہ و جماعت پنجگانہ وغیرہ کی کیا مصلحت ہے؟ سو اس مصلحت کے بیان کرنے میں اور دیگر امور شرعیہ (٤) کی مصالح کے بیان کرنے میں بھی اس وقت کے عقلاء اور بعض علماء نے بھی ایک غلطی کی ہے اور ٹھوکر کھائی ہے اور حقیقت میں جو چیز اصل مصلحت خداوندی ہے وہ اور ہی شئے (٥) ہے۔

مثلاً کہا جاتا ہے کہ جماعت میں مقصود اتفاق ہے اور یہ نکتہ بیان کیا جاتا ہے کہ جماعت پنجگانہ اس مصلحت سے وضع ہوئی تا کہ اہل محلہ شب و روز میں پانچ مرتبہ اپنی اپنی مسجد میں مجتمع و متفق (٦) ہو جاویں اور ملاقات کریں اور جمعہ کی جماعت اس

---

(١) قیاس سے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے ثابت نہیں ہوتی (٢) قانون بنانے والوں کی غرض (٣) قانون کو ظاہر کرنے والے (٤) شرعی احکام (٥) چیز (٦) جمع ہوں

مصلحت سے مقرر ہوئی ہے تا کہ تمام شہر کے مسلمان ایک مسجد میں جمع ہو جائیں اور باہم ملاقات کریں اور عید کی جماعت اس غرض سے مقرر کی گئی تا کہ تمام شہر اور اطراف شہر کے کل مسلمان ایک جگہ یعنی عید گاہ میں جمع ہوں اور باہم ملیں جو مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کی اچھی صورت ہے۔

اے حضرات! محققین کے نزدیک یہ نکتے کچھ بھی قدر نہیں رکھتے اور حقیقت میں یہ نکتے کوئی چیز نہیں شریعت نے نکات کا اہتمام نہیں کیا ہے، دیکھو شعراء وغیرہ کی کتابیں قافیہ وغیرہ سے پر ہیں اور قرآن مجید میں اس کا کچھ اہتمام نہیں کیا گیا۔ حالانکہ تمام دنیا بھر کی کتابوں سے قرآن پاک افصح وابلغ (۱) ہے۔

اگر نکتے قابل قدر ہوتے تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ تمام قرآن کو مسجع ومقفی (۲) کر دیتا مگر باوجود اس کامل قدرت کے پھر ایسا کیا۔ دیکھو سورۃ ق مکی ہے۔ اور مکی سورتوں میں بہ نسبت مدنی سورتوں کے بوجہ اس کے کہ مکہ میں اہل زبان زیادہ تھے، صناعتیں زیادہ ہیں مگر تکلفات اور زائد نکات سے وہ بھی بری ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ق والقرآن المجید (۳) یہاں تو قافیہ ''دال'' ہے۔ آگے فرماتے ہیں (بل عجبوا ان جآء ھم منذر منھم فقال الکفرون ھذا شئی عجیب) (۴) یہاں قافیہ ''با'' ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ آگے دیکھئے کہ کچھ قافیہ وغیرہ کا اہتمام نہیں۔

پس بتلا دیا کہ قافیہ وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ حقائق ومعانی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن روحانی مطب ہے اور طب کی کتاب میں زیادہ اہتمام اس کا ہونا چاہئے کہ اس کے نسخے شفا میں کامل ہوں لفظی نکات کا اس میں اہتمام نہیں ہوا کرتا۔

---

(۱) زیادہ فصیح اور زیادہ بلیغ ہیں (۲) قافیہ ردیف کی رعایت کی جاتی ہے۔ (۳) قسم ہے قرآن بزرگی والے کی سورۃ ق آیت ۱ (۴) انہوں نے تعجب کیا کہ انہی میں کا ایک ڈرانے والا ان کی طرف بھیجا گیا اور کافروں نے کہا یہ عجیب بات ہے سورۃ ق آیت ۲

دیکھئے اگر حکیم عبدالمجید خان صاحب کے نسخہ میں گل بنفشہ اور کاسنی (۱) ہو تو کوئی یہ نہیں کہے گا کہ ان دونوں دواؤں میں قافیہ نہیں اس لئے یہ نسخہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ نکتہ نہ مقصود ہے نہ قابل لحاظ ہے بلکہ مقصود شفا ہے۔

چونکہ یہ نسخہ اس کے مناسب ہے اس لئے کامل ہے۔ علی ہذا القیاس۔ احکام شرعیہ میں نکات مقصود نہیں بلکہ معرفت الٰہی مقصود ہے پس علماء محققین کی نظر اسی مقصود پر ہے یہ نکات ان کی نظر میں کچھ بھی نہیں ظاہر ہے کہ جس کی نظر اشرفی پر ہو وہ پیسہ کوڑی (۲) کو کیا نظر میں لاوے گا۔ وہ معرفت الٰہی ایسی نعمت ہے کہ ان کا ہی دل جانتا ہے اس کے مزہ کے مقابلہ میں تمام دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں وہ معرفت سے ہر وقت مزے لیتے ہیں اور منہ سے کچھ نہیں کہتے گو سب کچھ جانتے ہیں مگر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۳)

احکام الٰہی میں مصالح کی حقیقت

جن فضلاء کو یہ معرفت حاصل نہیں اور جن کے آئینہ نظر میں یہ مقصود منکشف نہیں ہوا۔ وہ ایسے نکات کے درپے ہوتے ہیں چنانچہ کوئی نکتہ وحدۃ الوجود (۴) میں

---

(۱) دو یونانی دواؤں کے نام ہیں (۲) اشرفی سونے کی ہوتی ہے اور ایک روپے میں سولہ آنے اور ایک آنہ میں چار پیسے، ایک پیسے میں دو دھیلے، اور ایک دھیلے میں دو چھدام، اور ایک چھدام میں چھ کوڑی ہوتی تھی، گویا اشرفی سب سے بڑے سکے کو اور کوڑی سب سے چھوٹے سکے کو کہتے ہیں۔ (۳) اس بات میں مصلحت نہیں ہے کہ میں راز سے پردہ اٹھاؤں ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کی ان کو خبر نہ ہو (۴) وحدت الوجود کے لفظی معنی ہیں وجود کا ایک ہونا سو ایک ہونے کے معنی ہیں کہ دوسرا ہے ہی نہیں مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں۔ اس کو مبالغہ وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ جیسے بادشاہ کی موجودگی میں تحصیلدار اپنے ہونے کی نفی کرے کہ صاحب سب کچھ آپ ہی ہیں۔ اس لئے کہ ہر صفت میں دو مرتبے ہوتے ہیں۔ ایک کامل ایک ناقص۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ کامل کے سامنے ناقص ہمیشہ کالعدم سمجھا جاتا ہے پس اللہ رب العزت کے سامنے سب کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے اسی کو وحدۃ الوجود کہتے ہیں۔ یہ تصوف کی ایک اصطلاح ہے اور اسی کے ہم معنی وحدۃ الشہود ہے کہ سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔ اس کو وحدۃ الشہود کہتے ہیں۔ اس سے زائد تفصیل کی گنجائش نہیں تفصیل کیلئے حضرت تھانوی کی دو کتابیں مطالعہ کیجئے ظہور العدم بنور القدم۔ شریعت و طریقت۔

غرق ہے کوئی وحدۃ الشہود میں۔لیکن انہیں نکتہ دانوں میں اگر کسی کو یہ معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ نکات سب نظر سے گر جاتے ہیں پھر ان کا نام تک زبان پر نہیں آتا اور معرفت الٰہی سے سکون ہو جاتا ہے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص کے متعلق جو کہ صفائی کا داروغہ(۱) ہے گلیوں وغیرہ کی تحقیق ہو، اگر وہ وزیر اعظم ہو جاوے تو اب ان قصوں کی اسکو ضرورت نہیں رہی بلکہ اب اس کو خدمت و رضائے شاہی ہر وقت مدنظر رہے گی۔پس جماعت وغیرہ میں جو یہ نکتے اتفاق کے بیان کئے جاتے ہیں میں اس کی نفی نہیں کرتا ہوں بلکہ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حکم شرعی اس مصلحت اتفاق پر مبنی نہیں بلکہ حکم شرعی پر خود یہ نکات مبنی اور اس کے تابع ہیں۔حکم شرعی کی وضع تو ایسی بنا پر ہے جس کا ہم کو علم بھی نہیں ہے ہم کو تو اس قدر علم کافی ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا اور بس ہمارا مشرب یہ ہونا چاہئے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علت از کار تو(۲)

ہمارے لئے بڑی بنا اس حکم کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو مقرر کیا ہے۔ البتہ جس حکم کی حکمت خود اللہ تعالیٰ نے بتلا دی ہے، اس کو بے تکلف بیان کیجئے۔باقی جس حکم کی مصلحت خود انھوں نے نہیں بتائی، اس میں اپنی رائے کو دخل دینا اور اپنی مزعومہ حکمت پر حکم مبنی کرنا بڑی حماقت اور سراسر نادانی ہے۔مثلاً پھول پتی اور گلکاری پر تعمیر مبنی نہیں، بلکہ تعمیر پر یہ سب گلکاریاں مبنی ہیں۔ ہماری مزعومہ(۳) مصلحتیں بالکل

(۱) سینٹری انسپکٹر (۲) میں تو تیرا نام لے کر اپنی زبان کو تر و تازہ کرتا ہوں۔ مجھے تیرے کاموں سے کوئی غرض نہیں (۳) خود ساختہ

پھولوں کی مثل ہیں اور مقصود اعظم عمارت ہے نہ کہ پھول پتی۔

پس سمجھ لو کہ نماز و جماعت اس وجہ سے مقرر نہیں ہوئی تا کہ اتفاق اس پر مرتب ہو بلکہ اتفاق سے حکم شرعی پر یہ مصلحت اتفاق بھی تابع ہو کر مبنی (۱) ہوگی۔

میں نے ایک کتاب لکھی ہے المصالح العقلیه فی الاحکام النقلیه (۲) جس میں احکام شرعیہ کی کچھ حکمتیں بیان کی گئی ہیں مگر اس کتاب میں جو چیز زیادہ پسندیدہ اور کارآمد ہے وہ اس کا خطبہ ہے جس میں چند مفید قواعد اور فوائد ہیں۔ اس میں یہ فائدہ بھی مذکور ہے کہ یہ نکات مذکورہ حکم شرعی کے تابع ہیں ان پر حکم شرعی مبنی (۳) نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کیلئے بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم فرمایا تھا تو اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی اہتمام کے ساتھ قولاً بھی عیدگاہ میں جانے کا اہتمام کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی اہتمام یہ ہے کہ آپ ہمیشہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے کیلئے تشریف لے جاتے تھے صرف ایک بار بارش کی شدت سے تشریف نہیں لے گئے۔ لیکن یہ آپ کا تشریف نہ لے جانا اپنے ذاتی آرام وراحت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض امت پر شفقت کی وجہ سے تھا۔ بعض اعمال مستحبہ گاہ گاہ (۴) آپ نے اسلیے چھوڑ دیے ہیں کہ کہیں امت دقت میں نہ پڑ جائے۔

---

(۱) اس حکم شرعی یعنی جماعت کا اہتمام کرنے سے یہ اتفاق کی مصلحت بھی حاصل ہو جائے گی (۲) یہ کتاب اس نام سے شائع ہوئی ہے "احکام اسلام عقل کی نظر میں" (یہ کتاب کتب خانہ جمیلی ۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور سے مل سکتی ہے) (۳) شرعی حکم ان مصلحتوں پر موقوف نہیں کہ اگر یہ مصلحت حاصل نہ ہو تو اس حکم پر عمل نہ کیا جائے بلکہ مصلحت حاصل ہو نہ ہو حکم پر عمل ضرور کیا جائے گا (۴) بعض مستحب عمل کبھی کبھی آپ اس لئے چھوڑ دیتے کہ امت مشکل میں نہ پڑے

حضور ﷺ کا پورے رمضان جماعت تراویح نہ کرانے کی وجہ

چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو نماز تراویح چند روز پڑھائی اور پھر چھوڑ دی۔ صحابہؓ نہایت ذوق وشوق سے تراویح کیلئے مسجد میں حاضر ہوئے مگر آپؐ اپنے حجرہ اعتکاف سے باہر تشریف نہ لائے صحابہؓ نے اس خیال سے شاید آپ سو رہے ہوں گے، کھانسنا کھنکارنا شروع کردیا تا کہ آپ بیدار ہو جائیں اور ہمیں تراویح پڑھائیں، مگر آپ تشریف نہ لائے۔ مجبوراً صحابہؓ واپس چلے گئے۔

صبح کو جب صحابہؓ خدمت شریف میں حاضر ہوئے تب آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہارے رات کے آنے کی خبر ہے، مگر میں قصداً نہیں نکلا۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالی کو یہ اجتماع پسندیدہ ہے، مجھ کو خوف ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز یعنی تراویح فرض نہ ہو جائے، اور تم دقت میں پڑ جاؤ، اس وجہ سے پھر آپ نے تراویح جماعت سے نہیں پڑھی۔ لیکن اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ ضرور جماعت تراویح پہ مواظبت (۱) فرماتے، جیسا کہ یہ ارشاد بتلا رہا ہے۔

پس مواظبت حقیقیہ گو نہیں مگر مواظبت حکمیہ ثابت (۲) ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہؓ نے بعد میں تراویح پر مواظبت کی اور اسی لئے تراویح سنت مؤکدہ ہے

---

(۱) دوام فرماتے (۲) کیونکہ آپ کا نماز نہ پڑھانا فرض ہو جانے کے خوف سے تھا ورنہ دل آپکا مستقل جماعت کرانے کو چاہتا تھا۔ اسی لئے جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور فرضیت کا احتمال نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت کرنے کا حکم دیا اور صحابہؓ نے اس پر اجماع کیا جس کی وجہ سے اب یہ سنت ہے اور خود حضور ﷺ کا اس کی خواہش رکھنا آپ کی مداوت حکمی ہے جس کی وجہ سے یہ سنت مؤکدہ ہے

چونکہ یہ زمانہ ترجمہ(۱) کا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ سنت مؤکدہ کی تعریف کر دی جائے تا کہ جو شبہ تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر واقع ہوتا ہے وہ دفع ہو جائے۔ تعریف سنت مؤکدہ کی یہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت(۲) کی ہو۔

محض ترجمہ بینی کے نقصانات

اب ہمیں شبہ یہ پیدا ہوا کہ بعض احادیث کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت فصل کیساتھ صرف تین روز پڑھی ہے پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہیں کی تو تراویح سنت مؤکدہ نہ ہوئی۔ اس شبہ کی بنیاد محض ترجمہ اردو کا دیکھنا ہے اور محض ترجمہ کے دیکھنے سے اصل حقیقت ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی، بلکہ یہ علوم کی تحصیل پر موقوف(۳) ہے۔

اور آج کل سرے سے علوم ہی(۴) حاصل نہیں کئے جاتے بس اپنی خواہش کے موافق جو دل میں آیا سمجھ لیا اور جو چاہا کرنے لگے، گو غلط ہی سمجھا ہو۔

غرض علمائے محققین نے احکام میں کبھی لم و کیف (۵) نہیں کہا حالانکہ انکو علوم بھی حاصل تھے اور اب تو لوگ محض ترجمہ دیکھ کر احکام کیساتھ تمسخر اور گستاخی اور خودرائی(۶) کرنے لگے حالانکہ محض ترجمہ کا دیکھنا ہرگز کافی نہیں ہوسکتا۔ ترجمہ کے دیکھنے والے اول تو کہاں تک ترجمہ دیکھ سکتے ہیں پھر کہاں تک یاد رکھ سکتے ہیں پھر کہاں تک صحیح سمجھ سکتے ہیں آج کل تو خیر سے حفظ کی قوت ہی نہیں بس یہ حال ہوگا۔

---

(۱) یعنی لوگ عربی کتابوں کے صرف ترجمے دیکھ کر اس کے معنی سمجھنا اور بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں (۲) ہمیشہ کیا ہو (۳) علوم کے حاصل کرنے پر موقوف ہے (۴) اول تو علم سیکھا ہی نہیں جاتا (۵) کس لئے اور کیوں کر (۶) اپنی رائے کو اہمیت دینے لگے بلا کسی دلیل شرعی کے۔

حفظت شيئا وغابت عنك اشياء(۱)

تجربہ ہے ترجمہ میں کچھ نہ کچھ ضرور رہ جاتا ہے اس لئے استعداد علمی کی ضرورت ہے۔ محض ترجمہ دیکھ کر غلطی ہوجانے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مولوی صاحب پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے سفر حج کیا ان کے پاس ایک کتاب سفرنامہ حج تھی وہ اس سفر میں جو کام کرتے اس کتاب کو دیکھ کر کرتے تھے۔

اس کتاب میں یہ واقعہ بھی لکھا۔ کہ عرب میں یہ عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے قیمتی لباس والے بھیک مانگتے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن جعفر آفندی جو پاشا کا مترجم تھا اور باوجود ہندی ہونے کے زبان ترکی وغیرہ پر قادر تھا اور شان وشوکت سے تھا، ان مولوی صاحب کے سامنے آیا اور آکر سلام کیا۔ مولوی صاحب سخت لہجہ میں کہنے لگے کہ کچھ کہنا ہے؟ جعفر آفندی خوش مزاج بھی تھا کہا ہاں! چار روز کا بھوکا ہوں کچھ مدد کیجئے مولوی صاحب نے کہا کہ یہ لباس فروخت کردو اور کھاؤ تم کو ایسے لباس کے ساتھ سوال کرتے ہوئے شرم نہیں آتی جعفر نے کہا کہ لباس بیچ دوں گا تو بھیک کیسے ملے گی اس لباس کے لحاظ سے تو کوئی روپے دو روپے دے بھی دیتا ہے اور یہ نہ ہو تو دو چار ہی آنے پر ٹرخا دیا کریں گے۔

خیر جعفر آفندی یہ گفتگو کر کے اس وقت تو چلے گئے پھر ایک دن یہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے جعفر آفندی گذرے میں نے انکو بلایا اور تعظیم۔ کی یہ مولوی صاحب حیران ہوئے کہ میں نے تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا تھا اور یہاں معاملہ بالعکس(۲) ہے۔ آخر ان مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت

---

(۱) تم نے ایک چیز یاد رکھی اور سینکڑوں بھلا دیں (۲) برتاؤ اسکے خلاف ہے جو میں نے کیا تھا

کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا کہ ایک معزز شخص ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تب تو مولوی صاحب نہایت شرمندہ ہوئے۔ اب جعفر آفندی نے مزاحاً مجھ سے کہا کہ ذرا ان مولوی صاحب سے دریافت کیجئے کہ انھوں نے مجھ سے بے رخی کا برتاؤ کیوں کیا وہ بیچارے بہت معذرت کرنے لگے۔ پھر میں نے دریافت کیا آخر آپ نے ان کے ساتھ ایسا بدنما برتاؤ کیوں کیا؟

تو مولوی صاحب فرمانے لگے کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا تھا کہ بعض لوگ عرب ہیں عمدہ لباس پہن کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں وہ مکار و دھوکہ باز ہوتے ہیں اور علاوہ کتاب میں دیکھنے کے میں نے ایسے لوگ آنکھوں سے بھی دیکھے میں نے یہی سمجھ کر ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا میں سمجھا کہ یہ بھی کوئی سائل ہیں جو اس شان سے آرہے ہیں۔

جعفر آفندی بہت خوش طبع تھے فوراً بولے کہ اجی مولوی صاحب آپ نے جن لوگوں کو بھیک مانگتے دیکھا وہ عمامہ باندھے تھے یا ترکی ٹوپی پہنے؟ اس مولوی صاحب نے کہا واقعی عمامہ باندھے ہوئے تھے جعفر نے کہا کہ حضرت میں تو ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا نہ کہ عمامہ باندھے ہوئے تھا آپ نے مجھ کو ان پر کیسے قیاس کرلیا۔

سچ ہے۔ یك من علم زاده من عقل باید(۱) محض کتاب دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کافی ذریعہ معلومات کا نہ ہو۔ اسی طرح سے نرے(۲) ترجمہ سے کام نہیں چلتا بلکہ عقل و استعداد کی بہت ضرورت ہے ورنہ محض ترجمہ دیکھنے والے بہت غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے یہ مولوی صاحب تھے۔

---

(۱) ایک من علم کو سمجھنے کیلئے دس من عقل چاہئے (۲) خالی

غرض سنت مؤکدہ کی تعریف کا یہ مقدمہ تو صحیح ہے کہ جس فعل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی ہو وہ سنت مؤکدہ (۱) ہے لیکن اس مقدمہ کے سمجھنے کے لئے نری ترجمہ بینی (۲) کافی نہیں بلکہ استعداد علمی کی بھی ضرورت ہے۔

جماعت تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل

اب سنو کہ مداومت (۳) کی دو قسمیں ہیں ایک مداومت حقیقیہ اور دوسری مداومت حکمیہ۔ مداومت حقیقیہ تو یہ ہے کہ کسی فعل کو صورۃً بھی ہمیشہ کیا جاوے اور مداومت حکمیہ یہ ہے کہ کسی فعل کو صورۃً تو کسی مصلحت کی وجہ سے کبھی چھوڑ دیا ہو لیکن ارادہ میں اس فعل پر دوام (۴) ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کو بھی بجائے فعل کے موثر سمجھنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ودوام تراویح کے متعلق خود اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اور آپ نے جماعت تراویح پر مداومت اس وجہ سے نہیں کی تاکہ یہ فرض نہ ہو جاوے اور امت دقت میں نہ پڑ جاوے یہ غایت درجہ کی امت پر شفقت ہے یہ مصلحت تھی ترک دوام صوری (۵) میں۔ چونکہ مداومت حکمیہ ارادیہ جو بمنزلہ فعل کے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی (۶) تو یہ تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے کی کافی بلکہ اکفی (۷) دلیل ہے۔

---

(۱) سنت موکدہ ہونے کیلئے یہ اصول تو درست ہے کہ جس فعل کو حضور ﷺ نے ہمیشگی کے ساتھ کیا ہو۔ (۲) صرف ترجمہ دیکھ لینا (۳) ہمیشگی کی دو قسمیں ہیں (۴) کسی کام کو کسی مصلحت کی وجہ سے چھوڑا ہو لیکن ہمیشہ کرنے کا ارادہ ہو۔ (۵) تراویح کی جماعت کو صورۃ ترک کرنے کی وجہ یہ تھی (۶) ہمیشہ اس تراویح کی جماعت کو کرنا مداومت حکمیہ سے بذریعہ ارادہ نبی جو کہ بمنزل فعل ہے ثابت ہے (۷) بہت کافی

صاحبو! واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری وجہ سے عمر بھر تکلیف اٹھائی کہ بعض دفعہ ایک کام کو آپؐ کا جی چاہتا تھا، مگر ہماری مشقت کے خیال سے نہ کرتے تھے۔ تو کیا ہم کو آپؐ کی خوشی کیلئے مشقت نہ برداشت کرنا چاہئے۔ جب کہ ہم کو حدیث سے معلوم ہو گیا کہ تراویح کی جماعت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی دل چاہتا تھا کہ اس پر مواظبت کریں، مگر آپؐ نے ہماری وقت کے خیال سے صورۃً مواظبت نہیں کی تو کیا ہم کو اس پر مواظبت نہ کرنا چاہئے۔ ضرور چاہئے صحابہ کرام نے اس راز کو سمجھا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور محبت کی یہ شان ہے کہ محبوب کی گذشتہ تکلیف تک سے محب متاثر ہوتا ہے تو اس کے احکام و مرضیات (۱) سے تو کیوں متاثر نہ ہوتا۔

صحابہؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

صاحبو! اصل یہ ہے کہ جیسی صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور سے محبت تھی ہم کو ایسی محبت ہی نہیں بعض صحابہؓ کی محبت کا یہ لون (۲) تھا کہ تمام عمر گذر گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکے۔ کیونکہ محبت کا اختلاف استعداد محبت سے ایک یہ قاعدہ بھی ہے کہ جب غایت درجہ کی محبت ہو جاتی ہے تو محبوب کے دیکھنے کی تاب نہیں رہتی خوب کہا ہے۔

یوں کہتے تھے یوں کہتے یوں کہتے جو آجاتا
سب کہنے کے باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے

(۱) اسکے حکموں اور پسندیدہ باتوں (۲) رنگ

تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

غرض بعض صحابہؓ کو اس رنگ کی بھی محبت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کسی نے ایک صحابیؓ سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف دریافت کیا تو کہا کہ یہ تو اس سے پوچھو جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کر دیکھا ہو، یہاں تو تمام عمر گذر گئی کبھی آنکھوں کو تاب نہ ہوئی کہ نگاہ بھر کر اس پر جمال کو دیکھ سکیں بیان کروں تو کیا بیان کروں؟

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود
کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے(۱)

صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے چین تھے حتی کہ وہ حضورؐ کی گذشتہ تکلیف کو یاد کر کے بے چین ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کے دستر خوان پر عمدہ گوشت آیا فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ کی تکلیف یاد آ گئی تو زار زار(۲) آنسو جاری ہو گئے کھانا اٹھا دیا اور نہ کھایا۔

فعل ماثور غلو کی وجہ سے مضر ہوتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری وجہ سے بہت فاقہ کشی کی ہے کہ مہینوں

---

(۱) بسبب غیرت کے اپنی آنکھوں کو تجھے دیکھنے نہیں دیتا اور اپنے کانوں کو آپ کی باتیں سننے نہیں دیتا بخدا مجھے اپنی ان دو روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ آپ کے چہرہ انور کو یہ بے حجاب دیکھتی ہیں (جبکہ میری ذات آپ کی باتیں سننے اور آپکو دیکھنے میں ان آنکھوں کی محتاج ہے) (۲) بے قرارانہ آنسو نکل آئے

چولہے میں آگ تک نہیں جلی یہ ضرور ہے کہ یہ فاقہ دنیا کے کم ہونے کی وجہ سے اٹھایا لیکن خود دنیا کی کمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری محبت ہی کی وجہ سے اختیار کی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ امت میری عاشق ہے وہ میرا اقتدا کرے گی اگر میں دنیا کو لوں گا تو امت اسکو سنت خیال کر کے دنیا کے پیچھے چل پڑے گی اور مجھ کو تو دنیا کے اختیار کرنے سے کچھ ضرر نہ ہوگا مگر اس کی وجہ سے امت طرح طرح کی مضرتیں اٹھائیگی۔ بعض لوگ اس سنت کو آڑ بنا کر دنیا کی طلب ایسے طریقہ سے کریں گے کہ گنہگار ہو کر عند اللہ ماخوذ (۱) ہونگے جو اعلیٰ درجہ کی تکلیف کا باعث ہے اس وجہ سے آپ نے دنیا کو چھوڑا اور فاقہ کی تکلیف اٹھائی۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضرور نہیں کہ جس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرلیں وہ ہر حال میں مسنون ہی ہو۔ اگر ایسا ہوتو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض افعال کو ہمارے خیال سے ترک کیوں کرتے کیونکہ وہ تو سنت ہوتا پھر مضر کیوں ہوتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ بعض دفعہ فعل ماثور (۲) بھی غلو کی وجہ سے مضر ہو جاتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھئے کہ ہر فعل ماثور ہر حال میں ہر صورت میں موجب ثواب نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ فعل ماثور بعض عوارض کی وجہ سے بالعکس معصیت (۳) ہو جاتا ہے۔ دیکھئے ولیمہ سنت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بعض صورتوں میں اس کی ممانعت بھی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء ویترک لها الفقراء الخ یعنی کھانوں

---

(۱) اللہ کے یہاں ان کی پکڑ ہوگی (۲) حضور ﷺ سے منقول فعل بھی اس میں غلو کرنے سے نقصان دہ ہوتا ہے
(۳) بجائے ثواب کے الٹا گناہ کا سبب ہوتا ہے۔

میں برا کھانا اس ولیمہ کا ہے جس میں امراء کو بلایا جاوے اور فقراء کو چھوڑ دیا جاوے۔ دیکھئے ولیمہ سنت ہے لیکن اس عارض ترک یا طرد فقراء(۱) کی وجہ سے شر ہو گیا۔

افسوس آجکل اکثر ولیمے اسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں محض برادری کے معززین کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نہیں پوچھا جاتا بلکہ اس جگہ سے نکال دیا جاتا ہے حالانکہ جن فقراء کو ولیمہ سے نکالا جاتا ہے ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ فقراء وضعفاء ہی کی وجہ سے تو دیا جاتا ہے۔ پس نہایت بے حیائی ہے کہ جن کی وجہ سے یہ رزق دیا گیا ہے انہیں کو اس رزق سے دھکے دیئے جائیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مخلوق میں ایسے بوڑھے نہ ہوتے جن کی کمریں جھک گئی ہیں، اور بہائم نہ ہوتے، اور شیر خوار بچے نہ ہوتے تو تم پر عذاب کی بارش ہوتی۔ معلوم ہوا کہ ہم عذاب خداوندی سے بوڑھوں اور بچوں، بہائم(۲) کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔

صاحبو! شریعت مطہرہ نے بہائم کے بھی حقوق تعلیم کئے ہیں چنانچہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں جانوروں کے حقوق بیان کئے ہیں اسلام نے سب کے حقوق بالتفصیل بتادئے ہیں چنانچہ بہائم کے بھی حقوق ہیں اور کیوں نہ ہوں جب انکی برکت سے ہم سے عذاب ٹلا(۳) ہوا ہے۔ اسی طرح غریبوں کی وجہ سے ہماری مدد ہوتی ہے، اور ہم کو رزق دیا جاتا ہے، پھر غرباء کو دھکے دینا بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔

الحاصل ولیمہ اسی حد تک مسنون ہے جس حد کو اسلام نے متعین کر دیا ہے

---

(۱) غرباء کو نہ بلانے کی وجہ سے (۲) جانوروں (۳) انکی برکت سے ہم پر عذاب نہیں آتا

جس میں غرباء بھی ہوں اور حسب طاقت ہو، سودی قرض سے نہ کیا گیا ہو، اور اس میں ریا اور سمعہ کو دخل نہ ہو اور تکلفات نہ ہوں خالصاً بوجہ اللہ(۱) ہو وہ ولیمہ مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جو سب سے بڑا ولیمہ تھا اس میں محض ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔ آپؐ نے کر کے دکھلا دیا کہ اس طرح کام کیا کرتے ہیں۔

جانوروں کے حقوق

اس حدیث سے ایک مشہور اشکال کا بھی جواب ہو گیا، وہ یہ کہ بعض فرقے اسلام کو بے رحم بتلاتے ہیں اس وجہ سے کہ اسلام نے ذبح بہائم کو جائز رکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر اسلام بے رحم ہوتا تو ہرگز بہائم کے حقوق کی تعلیم نہ کرتا اور اجازت دیتا کہ بہائم کے ساتھ جس طرح چاہو معاملہ کرو خواہ سختی کا خواہ نرمی کا۔

حالانکہ اسلام پکار رہا ہے کہ بہائم کے حقوق کا لحاظ رکھو ان پر بے جا سختی مت کرو جو کام ان کے متعلق ہو وہ لے لو پھر راحت دو، طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ لادو اور جب سفر کرو تو کبھی کبھی راستہ میں انکو گھاس چرنے کی بھی مہلت دے دیا کرو اور جانوروں کو ہانکتے ہوئے ان کو گالی نہ دیا کرو اور منزل پر پہونچ کر ان کو زین وغیرہ سے الگ کر دو اور پہلے ان کے چارے کا انتظام کر کے پھر کسی اور کام میں لگو۔ اس کے علاوہ اور بہت سے حقوق ہیں جس کی تفصیل میرے رسالہ ''ارشاد البہائم فی حقوق البہائم'' میں مذکور ہے جن کی نظیر کوئی باطل مذہب نہیں دکھا سکتا۔ رہی ذبح بہائم(۲) کی اجازت تو نہ یہ بے رحمی ہے نہ اس میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے جس کی تفصیل آئندہ اس مقام کے بعد (جہاں حضرت نوح علیہ السلام سے برتن بنوانے اور

(۱) صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے ہو (۲) جانور ذبح کرنے کی اجازت

پھر توڑوانے کا قصہ مذکور ہے) آئیگی۔

ہندوؤں کی رعایت سے گائے کا گوشت نہ کھانا گناہ ہے

بعض مسلمان ہنود(۱) کے میل جول کی وجہ سے گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اسلام کچھ گوشت خوری(۲) پر موقوف نہیں۔ اسلام میں گوشت کھانا اور نہ کھانا دونوں یکساں(۳) ہیں گائے کا گوشت نہ کھایا تو بکری کا کھالیا اسمیں کیا حرج ہے؟ گائے کا گوشت کھانا فرض تھوڑا ہی ہے۔ افسوس ان لوگوں نے شریعت خداوندی کے مقابلہ میں اپنی ایک شریعت گھڑلی ہے۔ ان لوگوں نے یہ مسئلہ ہنود سے لیا ہے اس لئے کہ ہنود بھی یہی کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت مت کھاؤ کہ رحم کے خلاف ہے بکری وغیرہ کا کھاؤ۔ حالانکہ یہ قول بالکل عقل سے بھی بعید ہے اس واسطے کہ جو بے رحمی گائے کے ذبح میں ہے وہی بے رحمی بکری وغیرہ تمام جانوروں کی ذبح میں ہے اور اگر بکری وغیرہ کا ذبح بے رحمی نہیں تو گائے کا ذبح بھی بے رحمی نہیں۔

اب ہم کو بتلایا جائے کہ گائے کا ذبح کیوں بے رحمی ہے اور بکری کا ذبح کیوں بے رحمی نہیں بعض کہتے ہیں کہ گائے کے ذبح میں دودھ گھی میں کمی آجاتی ہے یہ بالکل غلط ہے، گائے سے زیادہ دودھ گھی بھینس کا ہوتا ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہندو اور ان کی حامی مسلمان گائے کے ذبح سے روکتے ہیں اور بھینس کے ذبح کی اجازت دیتے ہیں حالانکہ اس میں دودھ گھی کا نقصان بہت زیادہ ہے گائے کا دودھ گھی تو بیماروں کو بتلایا جاتا ہے۔ تندرست آدمی تو اکثر بھینس کا دودھ گھی استعمال کرتے ہیں مگر

(۱) ہندوں سے میل ملاقات کی وجہ سے (۲) گوشت کھانے پر ہی (۳) برابر

اس کے ذبح پر کسی کو اعتراض نہیں نہ یہ بے رحمی شمار کیا جاتا ہے ہاں گائے کے ذبح پر ہندوؤں کا بھی اعتراض ہے اور بعض مسلمان بھی انکی حمایت کرتے ہیں۔

صاحبو! یہ دلائل تو محض بہانے ہیں اصل بات یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کا معبود(۱) ہے اس کا ذبح اس لئے ان کو ناگوار ہے۔ پھر ان مسلمانوں کو شرم نہیں آتی کہ جن اغراض کا منشاء شرک(۲) ہے ان میں وہ ہندوؤں کی موافقت وحمایت کرتے ہیں۔ غرض اپنی خواہش کے موافق جس کو چاہا کھالیا جس کو جی نہ چاہا نہ کھایا ایسے مسلمانوں کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی نے تمام قرآن میں سے دو چیزیں پسند کی تھیں۔ احکام میں سے تو کلوا واشربوا کھاؤ اور پیو۔ اور دعاؤں میں یہ دعا ربنا انزل علینا مائدة من السماء(۳) اے اللہ آسمان سے ہم پر دسترخوان اتار۔ پس جس طرح اس شخص نے اپنی خواہش کے مطابق قرآن پاک سے صرف دو چیزیں چھانٹیں اور باقی کو چھوڑ دیا اسی طرح ان مسلمانوں نے بھی حسب خواہش کچھ جانور اپنے لئے اختیار کر لیے اور باقی جانور جو شریعت اسلام میں حلال ہیں چھوڑ دیے۔

صاحبو! گائے کا کھانا اگرچہ اسلام میں مباح(۴) ہی ہے واجب اور فرض نہیں لیکن کسی فرقہ مخالف اسلام کی دلجوئی وخوشنودی کی غرض سے اور وہ بھی محض مردار دنیا کیلئے اس کا چھوڑنا سخت گناہ ہے اور اسلام کی کھلی مخالفت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک دنیا کی وجہ

یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں مقصود یہ ہے کہ

---

(۱) ہندوؤں کا خدا (۲) جس کام سے اغراض کا منشاء شرک ہو وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے (۳) آیت ۱۱۴ سورۃ مائدہ (۴) جائز ہے

حضور ﷺ نے دنیا کو اس واسطے ناپسند کیا کہ آپ جانتے تھے کہ میرے اس فعل سے امت مشقت میں پڑ جائے گی اور یہ دنیا ان کو مضر ہوگی ورنہ آپ کیلئے کیا کمی تھی اگر آپ دنیا چاہتے تو تمام دنیا غلام بن کر تابع ہو جاتی اور جہاں آپ تشریف لے جاتے دنیا آپ کے ساتھ ساتھ رہتی چنانچہ اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ السلام کی معرفت آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اگر آپ دنیا لینا چاہیں تو جبل احد (۱) کو سونے کا بنا کر اس طرح تابع کر دیں کہ اگر آپ سفر میں بھی تشریف لے جائیں تو یہ آپ کے ہمراہ رہے آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز فاقہ رہے اور ایک روز کھانا ملے فاقہ کے روز صبر کروں اور کھانے کے دن شکر کروں۔ یہ کیوں؟ محض ہمارے لئے کیونکہ ہمارے لئے دنیا مضر (۲) تھی ورنہ آپ کیلئے کچھ بھی مضر نہ تھی۔

اس کے متعلق ایک مرتبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کامل کے پاس دنیا ایسی ہے جیسے منتر جاننے والے کے پاس سانپ۔ اور ناقص کے پاس دنیا ایسی ہے کہ جیسے منتر سے ناواقف کے پاس سانپ۔ منتر جاننے والے کے پاس سانپ ہو تو مضر نہیں بخلاف ناواقف کے اس کے ہاتھ میں سانپ مضر ہے جب کامل اور ناقص میں یہ فرق ہے پھر حضور ﷺ تو اکمل الکاملین (۳) تھے۔ آپ کو دنیا کیا مضر ہوتی۔ مگر باوجود عدم مضرت (۴) کے پھر آپ نے دنیا کو صرف اس واسطے نہ لیا کہ میرے بعض امتی میرے اس فعل کو آڑ بنا کر دنیا پر گر جاویں (۵) گے اور مضرتیں اٹھائیں گے۔ دیکھا آپ نے کہ حضور ﷺ کو امت پر کس قدر شفقت تھی اسی وجہ سے

---

(۱) احد کا پہاڑ (۲) نقصان دہ (۳) سب کاملین سے زیادہ کامل (۴) نقصان دہ نہ ہونے کے باوجود (۵) اس فعل کا بہانہ کر کے دنیا حاصل کریں گے اور نقصان اٹھائیں گے۔

آپ نے بہت سے کام جو آپ کر سکتے تھے اور کرنا چاہتے تھے بھی صرف ہماری مضرت کے خوف سے بوجہ ہم پر شفقت کے نہ کئے۔ چنانچہ آپ بارش میں نماز عید گاہ میں جا کر ادا کر سکتے تھے کیونکہ بارش کو تو آپ محبوب رکھتے تھے چنانچہ جب بارش ہوتی تو آپ اپنا کرتہ اتار کر بدن پر لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ پانی تازہ بتازہ میرے خدا کی طرف سے آیا ہے۔

حضور ﷺ کی قوت

اور اس کے علاوہ آپ کوئی نازک اور کمزور بھی نہ تھے بلکہ طبی طور سے حضور ﷺ کا مزاج بہت قوی تھا چنانچہ آپ کی نو بیبیاں تھیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آپ ایک شب میں تمام بیبیوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ یہ کتنی کامل قوت کی دلیل پھر یہ ابتدائی جوانی کا واقعہ نہیں۔ جوانی میں تو آپ نے ایک نکاح سے زیادہ نہیں کیا تھا۔ یہ نو بیبیاں آپ کے پاس اسوقت تھیں جبکہ پچاس سے آپ کی عمر متجاوز ہوگئی تھی۔

صحابہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ میں تیس مردوں کی قوت تھی۔ محققین نے فرمایا کہ دنیا کے مردوں کی نہیں بلکہ جنت کے مردوں کی اور جنت کے ایک مرد میں سو مردوں کی قوت ہے اس حساب سے حضور ﷺ میں تین ہزار مردوں کی قوت ہوئی اور معمولی مرد کیلئے اسلام نے چار عورتوں کی اجازت دی ہے تو اس حساب سے آپ کیلئے بارہ ہزار عورتوں کی اجازت ہوتی مگر باوجود اتنی قوت کے آپ نے صرف نو بیبیوں کو اختیار کیا جن کو آپ کی قوت کے اعتبار سے عشر عشیر (۱) کی بھی نسبت نہیں

(۱) تھوڑی سی نسبت بھی نہیں

ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اعلی درجہ کے نفس کش تھے کہ دنیا بھر میں آپ کی نفس کشی میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ ظاہر ہے کہ جس کو بارہ ہزار روٹیوں کی خواہش تھی اور یہ مقدار بلا کسی مزاحم اور بلا مانع و بلا مشقت کے ہر طرح سے اس کو میسر بھی ہو سکتی (۱) ہو پھر بھی وہ صرف نو روٹیوں پر اکتفا کرے تو یہ نفس کشی نہیں تو اور کیا ہے کیا کوئی عاقل سوا معاند (۲) کے ایسے شخص کو عیش پرستی کا الزام دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ آپکی قوت کا یہ حال تھا کہ آپؐ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی مگر تمام بال سیاہ تھے بجز چند بالوں کے جن کا شمار بیس سے بھی کم تھا کہ وہ سفید تھے اور یہ حالت بے فکری کی وجہ سے نہ تھی حضور ﷺ کو تو طرح طرح کی ایسی فکریں تھیں کہ دنیا میں کسی کو بھی نہیں ہو سکتیں۔

حدیث میں آتا ہے کان رسول اللہ ﷺ دائم الحزن طویل الفکرۃ یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ فکر اور غم، ہی میں رہتے تھے رات دن میں کوئی آن (۳) ایسی نہ تھی کہ فکر سے خالی ہو۔ رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اللہ کی اگر تم ان امور کو دیکھو جن کو میں دیکھتا ہوں اور تم کو ان باتوں کی خبر ہو جاوے جنکی مجھ کو خبر ہے تو تم عمر بھر روتے پھرو اور ہنسنا بھول جاؤ۔ میں اسرافیل (۴) کو دیکھ رہا ہوں جو صور کو منہ میں لیے کھڑے ہیں، حکم کے منتظر ہیں کہ اب حکم ہو اور اس میں پھونک ماروں کہ سارا عالم درہم برہم ہو جاوے۔ ایسی حالت میں مجھ کو کیسے چین آئے اور میں کیسے

---

(۱) یہ سب کچھ بغیر کسی رکاوٹ اور ممانعت اور مشقت (۲) سوائے دشمن کے (۳) کوئی وقت (۴) ایک فرشتہ ہے جس کے صور پھونکنے سے قیامت آجائے گی

بے فکر ہو بیٹھوں ایک روایت میں ہے شیبتنی سورة هود (۱) باوجود یکہ ایسی فکر اور تریسٹھ سال کی عمر پھر بھی بیس بال تک سفید نہ ہوں یہ نہایت قوت مزاج کی دلیل ہے۔

غرض آپ نازک مزاج اور کمزور نہ تھے کہ بارش میں چلنا دشوار ہوتا۔ موت سے زیادہ تو کوئی مصیبت نہیں مگر جب اولیاء اللہ موت سے نہیں ڈرتے بلکہ موت کو دوست رکھتے ہیں اور اس دن کی تمنا کرتے ہیں اسلئے کہ یہ وسیلہ ہے محبوب سے ملنے کا.

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تادر میکدہ شاداں وغزلخواں بروم(۲)

تو حضور ﷺ اس ذرا سی بارش سے کیا گھبراتے یہ محض امت پر شفقت تھی۔

ترک قربانی پر وعید

غرض یہ ہے کہ آپ نے صرف ایک مرتبہ مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور تمام عمر عیدگاہ میں نماز پڑھی۔ اور حیض والی عورتوں تک کو عیدگاہ میں آنے کا آپ نے حکم فرمایا جس سے عیدگاہ میں آنے کی عظمت اور اہتمام شان ظاہر ہے گو بعد میں احادیث ہی سے سمجھ کر صحابہ نے اس سے روک دیا مگر اسی کے ساتھ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ جس نے باوجود وسعت کے قربانی نہ کی ہو وہ ہمارے مصلی (عیدگاہ) کے قریب نہ آئے یوں نہیں فرمایا کہ عیدگاہ میں نہ آوے بلکہ یوں فرمایا کہ اس کے قریب تک بھی نہ

---

(۱) سورۃ ھود کے مضامین نے مجھے بوڑھا کیا (۲) میں اس روز بہت خوش ہوں گا جب اس دنیا سے جاؤں گا راحت جان حاصل ہوگی اور میں محبوب کے پاس حاضر ہوں گا میں نے یہ نذر مانی ہے کہ جب یہ مبارک دن آئیگا تو میں میکدہ کی طرف غزلیں گاتا ہوا خوشی خوشی جاؤں گا۔

آوے۔ قربانی نہ کرنے والے سے کس قدر نفرت معلوم ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو حکم دیا کہ مصلیٰ مسلمین(۱) کے پاس تک نہ پھٹکے۔

صاحبو! اگر غیرت ہو اور حضور ﷺ کی محبت ہو تو یہ بڑی سخت بات ہے مگر افسوس کہ اس قدر تو قربانی کی تاکید ہے مگر بعض مسلمان پھر بھی نہیں کرتے۔

برائے نام قربانی

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ قربانی تو کرتے ہیں مگر محض برائے نام ہی کرتے ہیں خواہ عند اللہ مقبول ہونے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ کانپور میں ایک لوہار تھے انھوں نے قربانی کیلئے ایک ایسا بکرا تجویز کیا جس میں سب ہی عیب تھے ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسا جانور کیوں ذبح کرتے ہو؟ لوہار بولا واہ صاحب، ہماری بیوی صاحبہ کا فتوی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ذرا ہم کو بھی دکھلانا چاہئے کہ آپ کی بیوی نے کہاں سے فتویٰ دیا ہے لوہار گھر گیا اور بیوی سے ذکر کیا کہ حضور کے فتویٰ کو بعض لوگ نہیں مانتے ذرا انہیں بھی قائل کردو۔ وہ اتفاق سے اردو پڑھی ہوئی تھی اس نے فوراً اردو کا شرح وقایہ(۲) نکال کر دکھلایا کہ دیکھو اس میں لکھا ہے کہ جس جانور کے تہائی سے کم دم وکان ناک وغیرہ کٹی ہوں وہ جائز ہے اس بکرے میں چونکہ ہر چیز تہائی سے کم کٹی ہوئی ہے اور یہ عیب موثر نہیں لہذا جائز ہے۔

اس شخص نے کہا کہ بھائی ہم شرح وقایہ تو سمجھتے نہیں علماء کے پاس چلو اور یہ جانور انکو دکھلاؤ تو پھر وہ جو حکم دیں لوہار کہنے لگا کہ بس صاحب ہم کو تو ہماری بیوی کا

---

(۱) مسلمانوں کی عیدگاہ کے قریب بھی (۲) فقہ حنفی کی ایک کتاب ہے شرح وقایہ جس میں مسائل ذکر کیے گئے ہیں اس کا ترجمہ دکھایا۔

فتوی کافی ہے کسی عالم کو دکھلانے کی حاجت نہیں۔بس اس لوہار کو صرف قربانی کا نام کرنا تھا غرض بعض لوگ برائے نام قربانی کرتے ہیں اوراس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کی عظمت ان کے دلوں میں نہیں ہے اس وقت میں اسکی عظمت ہی ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

فضیلت قربانی

اب اس حدیث کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے اس حدیث کے دو جزو ہیں ایک جزو میں تو فضیلت قربانی کی بیان فرمائی ہے اور دوسرے جزو میں حقیقت قربانی بیان فرمائی ہے۔یعنی جب حضورﷺ نے قربانی کی فضیلت یہ فرمائی کہ ہر ہر بال کے عوض نیکیاں ملتی ہیں تو صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولﷺ حقیقت قربانی کی کیا ہے صحابہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب حضورﷺ کو خوش مزاج پاتے تو اس وقت ایسے سوال کرلیا کرتے تھے اور حضورﷺ اگر مناسب سمجھتے جواب دیدیتے تھے ورنہ منع فرمادیتے تھے۔چنانچہ مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے سے آپ نے صحابہ کو منع فرمایا کہ اس میں گفتگو مت کرو تمہاری فہم(۱) سے بالا ہے جس طرح حکم خداوندی ہے مان لو۔اس کے بعد صحابہ جواب کے لئے اصرار نہیں کرتے تھے اور یہ عدم اصرار غایت ادب(۲) کی وجہ سے تھا۔صحابہؓ حضورﷺ کا بے حد ادب کرتے تھے اور طریق ادب میں بہت ہی کامل تھے۔

(۱) تمہاری سمجھ سے اوپر کی بات ہے (۲) جواب کے لئے اصرار نہ کرنا آپ کے ادب کی وجہ سے تھا۔

شاگرد کا ادب اور استاد کا اتباع سنت

صاحبو! عالم بن جانا آسان ہے مگر ادب نہایت مشکل ہے ادب کا طریقہ ہر شخص نہیں جانتا بعض طریقے ادب کے ایسے ہیں کہ اہل علم بھی نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ گو درسی علم رکھتے ہیں مگر ادب جاننا اس کے لوازم سے نہیں بقول عارف شیرازی

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد(۱)

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند(۲)

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند(۳)

کسی نے خوب کہا ہے

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست(۴)

ادب کے متعلق مجھے بلگرام کی ایک حکایت یاد آئی۔ بلگرام میں ایک بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں ان کے ایک شاگرد سبق پڑھنے آئے دیکھا کہ چہرہ [illegible] ہوا ہے سمجھ گئے کہ آج فاقہ ہے۔ عرض کیا کہ حضرت آج مجھے سبق پڑھنے سے عذر ہے

---

(۱) معشوق وہ نہیں ہے جو ناز وادا رکھتا ہو بلکہ تو اس کا عاشق بن جو کچھ آن بان رکھتا ہو (۲) نہ ہر خوبصورت چہرے والا دلبری جانتا ہے جیسے ہر وہ شخص کے جس کے پاس آئینہ ہو سکندر نہیں ہوتا۔ (۳) بال سے بھی باریک ہزاروں نکتے موجود ہیں ہر وہ شخص جو سر منڈا لے قلندر نہیں ہوتا (۴) محبوبوں کی [illegible] ناز نخرے ہی ان کی قابل التفات ادائیں نہیں ہیں بلکہ ان کی بہت سی ادائیں ایسی ہیں جن کا کچھ نام نہیں۔

اجازت چاہتا ہوں کہ سبق ملتوی رکھا جائے۔ اجازت لے کر اٹھے اور گھر جا کر بہت سا کھانا لے کر خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت اس کو قبول فرما لیجئے۔

فرمایا کھانا تو ایسے وقت آیا ہے کہ واقعی مجھے حاجت ہے مگر ایک عذر شرعی کی وجہ سے نہیں قبول کر سکتا۔ عرض کیا حضرت وہ عذر کیا ہے فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے جو چیز تمہارے پاس بغیر اشراف نفس یعنی بغیر انتظار و طمع نفس کے آئے اس کو لے لو ورنہ نہیں۔ اے بیٹا جب تم میرے پاس سے اٹھ کر گئے تھے اسی وقت میرے نفس میں یہ آیا تھا کہ یہ کھانا لینے گئے اس وقت سے اب تک نفس کو اس کھانے کا انتظار تھا لہذا میں اس کھانے کو قبول نہیں کر سکتا۔

سبحان اللہ یہ ہے اتباع سنت کہ حاجت شدیدہ میں بھی اتباع سنت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایک ہم ہیں کہ ضرورت کے وقت فرائض کی بھی پرواہ نہیں کرتے پھر دوسرا کمال یہ کہ اپنی احتیاج کو بھی ظاہر کر دیا اور نفس کے انتظار کی بھی قلعی کھول دی جو کچھ بات تھی سچ سچ بیان کر دی نہ کچھ تصنع کیا نہ بناوٹ۔

صاحب جس کے پاس کھرا مال ہوگا وہ خریداروں کی پرواہ نہیں کیا کرتا بلکہ خود خریدار اس کی پرواہ کیا کرتے ہیں اور جس کے پاس کھوٹا مال ہوتا ہے وہ طرح طرح کی بناوٹیں کر کر کے خریداروں کو جماتا ہے۔ بس جو واقعی اہل اللہ ہیں ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی ہمارا معتقد رہے گا یا نہیں، بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ بہتر ہو کہ کوئی ہمارا معتقد ہی نہ ہو کیونکہ ان کے معمولات میں مخلوق کی آمد و رفت سے نقصان ہوتا ہے گو وہ اپنی خوش اخلاقی سے کسی کو منع نہ فرمائیں۔

حاجی صاحب کا خودنمائی سے احتراز

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ(۱) سے عرض کیا کہ فلاں اپنے مرید کو منع کر دیجئے کہ وہ فلاں کام نہ کرے ایسا نہ ہو کہ اسکا اثر آپ تک پہنچے کہ لوگ آپ سے بدگمان ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میاں کسی پر کیوں رکھتے ہو تمہارا جی چاہتا ہو بدگمان ہونے کو تو ہو جاؤ اور میاں تم نے تو گویا مجھے بڑی دھمکی دی ہے کہ لوگ بدگمان ہو جائیں گے اور تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ مجھے تو تمہارے اس اعتقاد نے پریشان کر رکھا ہے بہت اچھا ہو کہ مجھ سے لوگوں کا اعتقاد جاتا رہے کوئی میرے پاس نہ آئے بس تنہا میں ہوں اور میرا اللہ ہو۔ بقول جامیؒ:

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے(۲)

شاہ اسماعیل شہید کی حکایات

بعض دفعہ اہل اللہ خود اسکی تدبیر کیا کرتے ہیں کہ کوئی ہمارا معتقد نہ رہے چنانچہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ سے میرٹھ میں معتقدین نے وعظ کیلئے درخواست کی تو آپ نے جس وقت وعظ شروع کیا تو مولوی عبدالقیوم صاحب کو جو اس وقت بچے تھے اپنے زانو پر بٹھلا لیا اور درمیان وعظ کے کبھی کبھی ان سے فرماتے گال پھلاؤ وہ پھلاتے اور آپ اس کو پچکا دیتے۔ غرض اس قسم کی حرکات عین وعظ میں کرتے رہے۔ اور یہ افعال اس غرض سے کئے جا رہے تھے تا کہ لوگ غیر معتقد ہو جائیں، مگر کوئی غیر معتقد نہ ہوا۔ پھر وعظ کے بعد ایک بہت بڑے رئیس مصافحہ کیلئے

(۱) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شیخ ہیں (۲) کتنا اچھا وقت اور کیسا عمدہ زمانہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے وصل سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

آگے بڑھے آپ نے ان کی ناک پکڑ کر ہلادی اس رئیس نے عرض کیا کہ حضرت ہماری عقیدت ایسی نہیں ہے کہ ایسے افعال کی وجہ سے ہم آپ کو چھوڑ دیں۔غرض بعض بزرگ خود ایسے افعال کرنے لگتے ہیں کہ مخلوق خود بخود ہم سے بھاگ جائے اور معتقدوں کے کم ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے انکا یہ مذاق ہوتا ہے کہ

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں

ما نمی خواہیم ننگ و نام را(۱)

اور ہوتا یہ ہے

ساقیا برخیز دردہ جام را خاک برسر کن غم ایام را(۲)

ایک بار یہی مولانا شہیدؒ لکھنو تشریف لائے تو ایک شہزادہ زیارت کو حاضر ہوا اور حسب دستور شہزادہ نے جھک کر دونوں ہاتھوں سے تین دفعہ فرشی سلام کیا۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے تینوں دفعہ انگوٹھا دکھلا دیا۔شہزادہ شرمندہ ہوا اور برہم(۳) ہو کر مجمع حاضرین میں بیٹھ گیا۔ جب واپس ہونے لگا تو ایک اشرفی مولانا کی نذر کی مولانا نے منہ چڑا دیا۔شہزادہ تو غصہ ہو کر چلا گیا۔ بعد میں حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت وہ تو سلام کرتا تھا اور آپ انگوٹھا دکھلاتے تھے۔ یہ کیا بات تھی۔ فرمایا شریعت میں تو اس طرح سلام ہے نہیں میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ یوں کہتا ہے کہ میری قسمت پھوٹ گئی، میں نے کہا کہ میرے ٹھینگے(۴) سے۔غرض اولیاء اللہ دل کی بات

---

(۱) اگرچہ ایسے افعال کرنا عقلمندوں کے نزدیک بدنامی کا باعث ہیں لیکن میں تو نام ونمود چاہتا ہی نہیں۔(۲) اے ساقی اٹھ اور جام دے اور غم ایام کی پریشانی کو بھلا دے (۳) ناراض ہو کر (۴) کسی کو انگوٹھا دکھا کر زچ کرنے کو کہتے ہیں میرے ٹھینگے سے

صاف کہہ دیتے ہیں کسی کے غیر معتقد ہونے سے نہ ڈرتے ہیں نہ کسی کے معتقد ہونے کی پرواکرتے ہیں۔

خدمت کا احسن طریق

حاصل یہ ہے کہ ان بلگرامی بزرگ صاحب نے صاف کہہ دیا کہ نفس کو اس کھانے کا انتظار ہوگیا تھا اسوجہ سے میں نہیں لیتا اور یہ عذر شرعی ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز بدوں انتظار کے آئے وہ لے لو۔ اور اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ جو چیز انتظار کے بعد آئے وہ نہ لو اگر اس موقع پر ہم ہوتے تو اصرار کرتے کہ نہیں! حضرت لے ہی لیجئے۔ قبول ہی فرمالیجئے جیسا دستور ہے مگر وہ شاگرد نہایت سمجھدار وفہیم تھے اور طریقہ ادب سے واقف اور سچی محبت کرنے والے تھے انھوں نے ذرا بھی اصرار نہ کیا (اب تو محض رسم پرستی ہے محبت وادب کچھ نہیں)۔

چنانچہ یہ کہہ کر کہ بہت اچھا فوراً کھانا واپس لے گئے اور نظر سے غائب ہوکر پھر فوراً واپس آگئے اور کھانا پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت اب تو نفس کو وہ انتظار نہ رہا تھا بلکہ نفس مایوس ہو چکا تھا کہ آیا ہوا کھانا جاتا رہا۔ سو اب تو قبول فرمالیجئے اب تو عذر شرعی بھی نہ رہا۔ وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور دعا دی۔ غرض رسوم کے غلبہ سے طرز ادب مشکل ہے اور حقائق پر نظر ہو تو کچھ مشکل بھی نہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے محبت کی ضرورت ہے مگر آجکل تو محبت کا دعویٰ ہی دعویٰ ہوتا ہے اگر سچی محبت ہو تو خود محبت ہی طرز خدمت سکھادیتی ہے۔ قال الشاعر

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

حضرت صدیق اکبرؓ کی غایت محبت وادب

حضرت صدیق اکبرؓ نے قبل از اسلام رسول اللہ ﷺ کی کچھ خدمت کرنا چاہی۔ جبکہ حضرت خدیجۃ الکبری سے آپؐ کا نکاح ٹھہرا تو حضرت خدیجہ بڑی امیر تھیں بڑی عاقل بھی تھیں تجارت کے ذریعہ سے مال بڑھاتی تھیں یہاں تک کہ آپؓ کے پاس بہت سے غلام اور جانور تھے نقد بھی بہت کچھ تھا اور حضور ﷺ کے یہاں مال زیادہ نہ تھا لیکن حضور ﷺ کا خاندان ہمیشہ سے معظم اور رئیس سمجھا جاتا تھا گو دعوی نبوت سے وہ شان ریاست عامہ کی نہ رہی تھی کیونکہ لوگ مخالف ہو گئے، مگر بعد میں پھر پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔ تو صدیق اکبرؓ نے چاہا کہ اس وقت کچھ آپ کی خدمت روپئے سے کروں تا کہ خدیجہ کے سامنے آپ کی بات ہلکی نہ ہو اگر خرچ نہ ہوا تو بات ہلکی ہو جائے گی اس وقت صدیق اکبرؓ بہت مالدار تھے مگر ساتھ ہی یہ خیال کرتے تھے کہ میری اس خدمت کو آپ کیوں قبول کرنے لگے آپ کو غیرت وحیا اس کے قبول سے مانع(۱) ہوگی۔ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ آپ قبول فرمالیں۔

وہ تدبیر یہ کی کہ عرض کیا کہ حضور ﷺ آپکے دادا صاحب نے غالبا میرے دادا کے پاس کچھ امانت رکھی تھی وہ لے لیجئے اس طریقہ سے روپیہ دیا اور آپؐ نے قبول فرمایا۔ تو دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ ابھی اسلام بھی نہیں لائے تھے مگر چونکہ آپ کو حضور ﷺ سے سچی محبت تھی اس نے خدمت کا یہ طریقہ خود بخود ان کو سکھلا دیا۔

---

(۱) روکے گی

حقیقت قربانی

الحاصل ادب کے سبب صحابہ کا یہ مذاق تھا کہ حضور ﷺ سے ایک بات پوچھی اگر آپ خاموش ہو گئے تو پھر جواب پر اصرار نہیں کرتے تھے پھر کسی دوسرے وقت اگر ضرورت سمجھتے تو موقع محل دیکھ کر مکرر(۱) عرض کر کے جواب حاصل کر لیتے غرض جب فضیلت قربانی کی صحابہ نے سنی تو عرض کیا کہ یارسول اللہ حقیقت قربانی کی کیا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا سنة ابیکم ابراہیم یعنی تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ اور سنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو آپ نے باپ فرمایا، یا تو اس لئے فرمایا کہ مخاطب عرب ہیں، اور اکثر عرب کا سلسلہ نسبی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے تو اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہونا حقیقۃ ہوگا اور اگر مخاطب کل امت کو مانا جاوے اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کا کل امت کیلئے باپ ہونا مجازاً ہوگا، یعنی روحانی باپ اور روحانی باپ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے روح اور نفس کی اصلاح ہو اور ہماری روحانی اصلاح کا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ لہذا وہ ساری امت کے روحانی باپ ہیں۔ تو باپ کے پہلے معنی ظاہری ہیں اور دوسرے معنی باطنی اور اتفاق سے اسی طرح خود مقصود حدیث بھی دو معنی کو مشتمل(۲) ہے یعنی جس طرح ابیکم میں ایک ظاہری معنی ہیں ایک باطنی معنی اسی طرح سنت ابراہیم کے دو معنی ہیں ایک ظاہری ایک باطنی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لکل آیة ظهر و بطن یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔

---

(۱) دوبارہ درخواست کر کے (۲) حدیث کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں

ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہونے کی تحقیق

میں اس کی تحقیق بھی مختصراً عرض کرتا ہوں کہ ظاہر اور باطن کے کیا معنی ہیں بیان اس کا یہ ہے کہ بعض معانی تو وہ ہیں کہ جو مدلول قرآن بدلالت (۱) لغویہ ہوں اور بعض وہ ہیں جو مدلول بدلالت لغویہ (۲) نہ ہوں۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ معنی کس طرح سے بھی مدلول قرآنی نہ ہوں نہ بواسطہ نہ بلا واسطہ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ معنی مدلول قرآنی ہوں لیکن بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطہ (۳) ہوں پس اگر قرآن کے ایسے معنی گھڑے جائیں جو قرآن کا کسی طرح مدلول نہ ہو تو یہ معنی بالکل غلط ہوں گے۔ اور یہ مسلک فرقہ باطنیہ کا ہے۔

جیسے اذھب الی فرعون میں فرقہ باطنیہ نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ اے روح تو نفس کے پاس جا۔ یعنی ان کے نزدیک موسیٰ سے مراد روح اور فرعون سے مراد نفس ہے اور اس فرقہ نے قصہ موسیٰ و فرعون کو تو بالکل ہی اڑا دیا ہے (۴)۔ جو مدلول قرآنی بدلالت ظاہرہ (۵) تھا اور اپنی طرف سے ایک نئے معنی گھڑ لئے۔ محققین صوفیہ نے اس کی نسبت فرمایا ہے یہ فرقہ باطنیہ ملحد (۶) ہے جو مسلمانوں کا لباس پہن کر اسلام کو مٹانا چاہتا ہے۔

اور محققین صوفیہ نے برخلاف اس فرقہ باطنیہ کے اس آیت کی دو توجیہیں

---

(۱) قرآن کے الفاظ لغوی معنی کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتے ہوں (۲) یعنی آیت قرآن ان معنی پر دلالت تو کرتا ہو لیکن لغت کے اعتبار سے نہیں (۳) یعنی قرآن پاک کی آیت کے ایسا معنی کئے جائیں کہ جن معنی پر ہو آیت کسی طرح بھی دلالت نہ کرتی ہو نہ لغوی اعتبار سے اور نہ کسی واسطے کے اعتبار سے (۴) حذف کر دیا (۵) قرآن کے ظاہری الفاظ کے معنی اس قصہ پر دلالت کرتے ہیں (۶) یہ فرقہ بے دین ہے۔

کی ہیں، ایک یہ کہ اے موسیٰ فرعون کی طرف جاؤ یہ معنی تو مدلول قرآنی بدلالت ظاہرہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ الخ۔ دوسرے معنی بواسطہ یہ کئے ہیں کہ اے قرآن کے دیکھنے والے اور اے قرآن کے پڑھنے والے جب تو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو پڑھے تو اس قصہ پر اپنے حال کو قیاس کر۔ یعنی تیرے اندر جو منشا ہے اعمال صالحہ(۱) کا یعنی روح جو مثل موسیٰ کے ہے، اس کو قوت پہنچا کر اس کے ذریعہ سے نفس کو جو کہ افعال قبیحہ کا منشا(۲) ہونے میں مثل فرعون کے ہے مغلوب کر۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

موسیٰ و فرعون درہستی تست(۳)

یہ معنی بھی مدلول قرآنی ہیں لیکن بواسطہ ایک قسم کے قیاس کے۔ کیونکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس قصہ ظاہرہ سے سبق لے کر اپنے نفس میں اسکو جاری کیا گیا ہے پس دراصل یہ تفسیر نہیں بلکہ ایک قسم قیاس ہے۔ جو اصطلاح(۴) میں اعتبار کہلاتا ہے یعنی دوسروں کے قصہ سے عبرت حاصل کرنا اور عبرت حاصل کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اپنی حالت میں غور کر کے دیکھا جائے کہ میرے اندر تو اس قصہ کے مشابہ کوئی حالت نہیں۔ اگر ہے تو جو نتیجہ قصہ کے اندر مذکور ہے اس سے متنبہ(۵) ہونا چاہیے اور اعتبار کا حق تعالیٰ نے امر فرمایا ہے کہ قرآن کے قصوں سے عبرت حاصل کرو۔ چنانچہ ایک جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب(۶)

---

(۱) اچھے اعمال پیدا ہونے کا سبب ہے (۲) برے اعمال کے پیدا ہونے کا سبب ہونے میں فرعون کی طرح ہے (۳) موسیٰ و فرعون دونوں تیری ذات میں موجود ہیں۔ (۴) صوفیہ کی اصطلاح میں (۵) کہ جو جزا وسزا اس قصہ میں مذکور ہے وہی مجھے بھی ملے گی۔ (۶) سورۃ یوسف آیت ۱۱۱

کہ ان لوگوں کے قصہ میں اہل عقل کیلئے عبرت ہے اور اس صورت میں مدلول ظاہری بھی منفی(۱) نہ ہوگا بلکہ عبرت حاصل کرنے کیلئے اصل قصہ کو بحال خود رکھنا لازم ہوگا غرض ہر آیت کے اسی طرح دو معنی ہیں ظاہر اور باطن اور ہر معنی نہایت عجیب ولطیف ہے اسی باب میں کہا گیا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را(۲)

قرآن عجیب کلام ہے جس سے ہر شخص اپنی استعداد کے موافق حصہ لیتا ہے اہل ظاہر ظاہری معنی سے اور اہل باطن باطنی وظاہری دونوں سے

چیست قرآں اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بہ ناس

حرف حرفش راست در بر معنی معنی در معنی در معنی(۳)

اسی طرح حدیث کو سمجھ لیجئے۔ غرض ہر نص کا ایک ظاہر ہے ایک باطن یا یوں کہیے کہ ایک صورت ہے ایک حقیقت۔ اسی طرح یہاں بھی قربانی کا سنت ابراہیم ہونا جو کہ مقصود حدیث ہے اس کا ایک ظہر ہے ایک بطن، یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تو مدلول ظاہری تو اس کا یہی ذبح ولد(۴) تھا، اور بطن وہ ہے جو کہ رات میرے ذہن میں آیا ہے جس کی تفصیل ابھی آتی ہے۔ سنیے کہ جب صحابہ نے اضحیہ(۵) کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا سنة ابیکم ابراہیم یعنی یہ

---

(۱) آیت کے ظاہری معنی کی بھی نفی نہیں ہوگی (۲) اس کے حسن کی بہار ہمارے دل و جان کو تازہ کر دیتی ہے جو ظاہر پرست ہیں وہ صورت سے لطف اندوز ہوتے جو باطن کے طلب گار ہیں وہ معنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں (۳) قرآن کیا ہے اے حق کو پہچاننے والے؟ لوگوں کیلئے ان کے رب کو دیکھنے کا ایک ذریعہ ہے اس کا ہر ہر حرف بہت سے معنی کو متضمن ہے کہ معنی میں معنی اور پھر ان میں معنی پوشیدہ ہیں۔ (۴) اس آیت کے ظاہری معنی تو اس پر دلالت کر رہے تھے کہ بیٹے کو ذبح کرو (۵) قربانی

تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ باپ کا طریقہ کیا ہے؟ سو ظاہر ہے کہ باپ کا طریقہ وہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ پس اس طریقہ کو قرآن ہی سے تحقیق کرنا چاہئے۔ پس قرآن کا جو مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ طریقہ ولد(۱) کو ذبح کرنا ہے، کیونکہ دنبہ کے ذبح کا حکم قرآن میں مذکور نہیں۔ بلکہ اولاً بیٹے ہی کے ذبح کا قصہ مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فعل ذبح ولد ہی تھا نہ کہ ذبح کبش(۲)۔

پس نص قرآنی کا ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت ابراہیم جو حدیث میں مذکور ہے ذبح ولد ہو۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح ولد کا خواب دیکھا تھا چونکہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے لہذا اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح(۳) میں لے گئے اور وہاں ان سے اپنا خواب اس طرح بیان کیا یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری(۴) ''اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ سو دیکھو اس میں تمہاری کیا رائے ہے'' سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کیا عجیب اور سہل طریقہ ہے کہ مخاطب پر بالکل بوجھ نہیں ڈالتے، بلکہ ان سے سوال کرتے ہیں اور اس طریقہ خاص کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب بشاش(۵) ہو کر تعلیم کو ضرور قبول کرتا ہے۔

یہ طرز تعلیم نہایت مؤثر ہوتا ہے باوجودیکہ ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا پختہ تھا مگر پھر بھی یوں نہیں فرمایا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے

---

(۱) بچے کو ذبح کرنا ہے (۲) حضرت ابراہیم نے بیٹے کو ذبح کیا تھا نہ کہ دنبے کو (۳) قربان گاہ (۴) سورۃ صٰفّٰت آیت ۱۰۲ (۵) جس کو خطاب کیا جائے وہ خوش ہو کر تعلیم قبول کر لیتا ہے

میں تجھ کو یہاں ذبح کرنے کے واسطے لایا ہوں تُو ذبح کے لئے تیار ہو جا۔ آپؑ نے اس مضمون کو جو طبعاً نہایت سخت اور خوف میں ڈالنے والا تھا کس سہل عنوان سے بیان فرمایا، کہ اے بیٹے میں نے یہ خواب دیکھا ہے بولو تمہاری کیا رائے ہے؟ گویا ان سے مشورہ لیا اور اس کی تعبیر پوچھی۔ اب بھی اگر کوئی شخص اس طرز تعلیم کو اختیار کرے تو نہایت مؤثر اور نافع مخلوق (۱) ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کا انداز تبلیغ

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں ایک شخص حاضر ہوا آپ نے دیکھا کہ اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہے جب وعظ ختم ہوا اور لوگ چلنے لگے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ ذرا آپ ٹھہر جائیں مجھ کو آپ سے ایک کام ہے۔

جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس لئے روکا ہے کہ بھائی ذرا میرے پاجامہ کو دیکھو مجھ کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے آیا یہ میرا خیال ہی خیال ہے یا واقعی ٹخنوں سے نیچا ہے، کیونکہ جس کا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا تو بھائی دوزخ کا سخت عذاب ہے مجھے اس سے ڈر لگتا ہے ذرا اچھی طرح میرے پاجامہ کو دیکھ لو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص شرما گیا اور پیروں میں گر پڑا اور کہا کہ حضرت آپ کا پاجامہ تو نہیں لٹکتا ہے البتہ مجھ نالائق کا لٹکتا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

---

(۱) مخلوق کو اس سے فائدہ ہوگا

انداز تبلیغ کیسا ہونا چاہئے

غرض نرمی سے، تدبیر سے بہت کام بنتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن (۱) یعنی اے نبی میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بات کریں جو بہتر ہو یعنی اس میں خشونت و اشتعال (۲) نہ ہو یعنی بلا ضرورت۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو علیحدہ لے گئے اور خواب بیان کر کے فرمایا کہ اس میں تمہاری کیا رائے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عنوان کو اختیار کیا اور صاف صاف جو بات تھی وہ نہ کہی گو اس میں بظاہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے اس احتمال کا شبہ ہو سکتا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کا بچپن ہے کہیں ذبح سے گھبرا کر خلاف نہ کہنے لگیں مگر ان کا یہ خیال راسخ تھا کہ

شاباش آں صدف کہ چناں پروردگہر
آباز و مکرم و ابنا عزیز تر (۳)

ازواج مطہرات کی حضور ﷺ سے والہانہ محبت

یہ ایسا واقعہ تھا کہ جیسا کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے خرچ میں بھی اضافہ فرما دیجئے کیونکہ اب تو فتوحات زیادہ ہونے لگی ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا النبی قل لازواجك الخ (۴)۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ کو خاص محبت تھی اس لئے آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو مضمون آیت مذکورہ کا سنایا، یعنی اے نبی

---

(۱) بنی اسرائیل آیت ۵۳ (۲) تلخی اور غصہ دلانے والی بات نہ ہو (۳) اے صدف تجھے مبارک ہو کہ تو نے اس گوہر کو پرورش کیا ہے کہ باپ دادا کی تکریم کا باعث اور اولاد و خویش کی عزت کا باعث ہے (۴) سورہ احزاب آیت ۲۸

اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی طالب ہو تو میں تم کو کچھ دے کر علیحدہ کر دوں پھر مجھ سے تمہارا کچھ تعلق نہ رہے گا۔ اور اگر دنیا کو چھوڑ کر مجھ کو اور اللہ کو اختیار کرو تو تمہارے واسطے اللہ نے آخرت میں بڑے بڑے اجر رکھے ہیں۔

چونکہ حضرت عائشہ کم سن تھیں، کیونکہ جب وہ آپ کے گھر میں آئی تھیں تو ان کی نو سال کی عمر تھی اور جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو اٹھارہ سال کی تھیں۔ اور چونکہ اس عمر میں تدبر(۱) و تجربہ عادۃً کم ہوتا ہے اس لئے حضور ﷺ کو احتمال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ عائشہؓ بلا سوچے سمجھے دنیا کو اختیار کر لیں، تو فرمایا، اے عائشہ جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ اور ماں باپ کے متعلق یہ شبہ نہ تھا۔ مگر حضرت عائشہؓ کی نسبت حضور کا یہ خیال درجہ احتیاط میں تھا۔ ورنہ ہر ایک کے سینہ میں حضور ﷺ کی محبت اعلیٰ پیمانہ پر ایسا جوش مار رہی تھی جس کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ(۲) تھی۔

یہ سنتے ہی فوراً حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے بارہ میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی قد اخترت اللہ ورسولہ والدار الآخرة میں نے اللہ کو اور آپ کو اور دار آخرت کو اختیار کیا چونکہ حضرت عائشہؓ کا بچپن تھا اسلئے ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر دوسری بیویاں آپ سے دریافت کریں کہ عائشہ نے کیا جواب دیا تو آپ نہ بتلائیں۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہ اگر کسی نے پوچھا تو میں بتلا دوں گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے احکام کا ظاہر کرنے

---

(۱) بردباری یعنی سمجھداری (۲) یعنی پوری دنیا کی حکومت بھی دی جائے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں

والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کا استقلال

اسی طرح اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ مشورہ کرتے ہوئے کچھ خیال ہوا بھی ہو کہ دیکھئے اسماعیل کیا جواب دیتے ہیں، تو وہ درجہ احتیاط میں ہوگا، ورنہ خود انکی استعداد فطری میں اس احتمال کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل نے فوراً یہی عرض کیا کہ میں اس کا جواب ہی کیا دوں؟ بس اللہ نے جو حکم آپ کو دیا ہے، کر گذریئے، اور اگر آپ کو یہ شبہ ہو کہ میں اس وقت تو پختہ ہوں مگر شاید عین وقت پر ثابت قدم نہ ہوں تو ستجدنی انشاء اللہ من الصٰبرین (۱) یعنی انشاء اللہ مجھ کو آپ ثابت قدم پائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغلوب الحال نہ تھے

بس یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام ذبح کیلئے تیار ہو گئے اور زمین پر لٹا کر تیز چھری حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر زور زور سے پھیرنے لگے لیکن چھری تھی کہ نہیں چلتی تھی اس وقت ادھر سے یہ ہوا ونادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرء یا انا کذلك نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلؤ المبین وفدیناہ بذبح عظیم (۲) یعنی ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا بیشک یہ کھلا ہوا بڑا امتحان تھا اور ہم نے اسمٰعیل کو ایک ذبح عظیم کے ساتھ بدلہ کر کے چھڑا لیا۔

---

(۱) الصٰفٰت آیت ۱۰۲ (۲) سورہ الصٰفٰت آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷

روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں ایک ایسا دنبہ لایا گیا جو اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبح ہوا واقعی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سخت امتحان تھا۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص حالت مغلوبیت (۱) و بدحواسی میں اپنے ایسے فرزند کو جو بہت تمناؤں کے بعد بڑھاپے میں پیدا ہوا ہو ذبح کر دے، لیکن ہوش و حواس کی حالت میں ہرگز ہمت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ذبح ولد کے بجائے خودکشی نہایت آسان ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فعل نہایت درستی حواس میں تھا بدحواسی اور مغلوبیت کا یہاں شبہ تک نہیں ہوسکتا اسلیے کہ انبیاء علیہم السلام کبھی اس درجہ مغلوب الحال نہیں ہوتے کہ حقائق ان کے ادراک سے غائب ہو جاویں۔ البتہ اولیاء بعض اوقات بیشک اس درجہ مغلوب الحال ہو جاتے ہیں۔

دوسرے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یا ابراہیم قد صدقت الرء یا (۲) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اس فعل کو حکم کی تعمیل کی نیت سے قصداً کیا جیسا صدقت کی اسناد سے معلوم ہوتا ہے (۳) اور غلبہ حال میں قصد کامل نہیں ہوتا تیسرے آگے فرماتے ہیں ان ھذا لھو البلؤ المبین (۴) کہ یہ بڑا سخت امتحان تھا اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بااختیار خود بحالت درستی حواس یہ کام کیا تھا کیونکہ امتحان اسی کا ہوتا ہے جو ہوش و حواس میں ہو۔ بدحواس آدمی جو کچھ کرتا ہے بے اختیاری میں کرتا ہے۔ اور وہاں منجانب اللہ کوئی امتحان نہیں ہوتا۔

---

(۱) جو آدمی مغلوب الحال ہو اپنے حواس کھو بیٹھے (۲) اے ابراہیم تم نے خواب سچا کر دکھایا سورۃ صافات آیت ۱۰۵ (۳) صدقت (تو نے سچ کر دکھایا) کی اسناد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام حضرت ابراہیم نے پورے ہوش و حواس میں کیا تھا مغلوب الحال ہو کر نہیں (۴)

مغلوبیت شانِ ولایت ہے شانِ نبوت نہیں

غرض بدحواسی سے انبیاء معصوم ہیں ہاں اولیاء کو بعض اوقات یہ حالت پیش آتی ہے چنانچہ حسین بن منصور علیہ الرحمۃ مغلوب الحال تھے، کہ غلبہ حال میں اناالحق کہہ گئے۔ اور گو وہ اس میں معذور تھے مگر یہ حالت زیادہ کمال کی نہیں۔

اسی لئے شیخ عبدالحق ردولویؒ نے ان کے باب میں فرمایا ہے منصور بچہ بود کہ از یك قطرہ بفریاد بر آمد اینجا مردانند کہ دریا فروبرند واروغ زنند (۱) حالانکہ یہ بزرگ ردولویؒ بھی مغلوب الحال تھے کہ عمر بھر گھر سے جا کر مسجد میں نماز پڑھی لیکن کبھی مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا ہمیشہ خادم آگے آگے حق حق کہہ کر مسجد میں لے جاتا تھا۔ نیز حضرت مخدوم احمد صابر بھی مغلوب الحال تھے مگر باوجود اس حالت کے شریعت کے خلاف کوئی امر سرزد نہیں ہوا شریعت کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔

خودساختہ صوفیوں کا حال

بخلاف اس زمانہ کے صوفیوں کے کہ باوجود مغلوب ومعذور نہ ہونے کے ان کا بڑا مایہ کمال یہی ہے کہ وہ وجد وحال میں شریعت کا کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ جماعت کا وقت ہے لیکن صوفی صاحب حال وقال میں ہیں کچھ خبر نہیں کہ جماعت کدھر ہے اور نماز کدھر ہے کئی کئی وقت کی نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی نے پڑھی بھی تو بعض دفعہ اتفاقاً بیہوش ہو کر گر بھی پڑے۔ مگر پھر بھی اسی حالت سے اٹھے اور نماز پڑھ

(۱) منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے فریاد کرنے لگا یہاں تو ایسے افراد بھی ہیں جو دریا کے دریا پی جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے۔

لی۔ حالانکہ بیہوش ہو کر گرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر ان کو شریعت کی بالکل خبر نہیں۔ وضو تک کے مسائل بھی یاد نہیں۔ پھر باوجود اس کے علماء سے پوچھتے بھی تو نہیں۔

بس معلوم ہوا کہ شریعت کی پرواہی نہیں کرتے۔ البتہ اہل وجد وسماع میں سے ایک درویش نے ایک مرتبہ مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ میں نے ایک شخص کو بددعا دی تھی۔ وہ مر گیا میرے ذمہ خون تو نہیں ہوا؟ عمر بھر میں یہ ایک شخص ایسا ملا جس کو باوجود سماع(۱) میں مبتلا ہونے کے شریعت کا پاس تھا۔

یہاں سے یہ جواب دیا گیا کہ اگر محض بددعا تھی اور قلبی ہمت کو کچھ دخل نہیں تھا تو اگر وہ محل بددعا نہ تھا تو محض بددعا کا گناہ ہوا قتل کا نہیں ہوا۔ اور اگر دل سے بھی ہمت کی تھی تو قتل کا بھی گناہ ہوا اگر وہ شخص شرعاً مستحق قتل نہ ہو۔ غرض زمانہ حال کے متعارف صوفیہ میں ایسے بہت کم ہیں جو خدا سے ڈریں۔ اکثر تو زمانہ حال کی صوفیت کا مآل کسب دنیا ہے جس قدر مریدین کی کثرت ہو گویا جائداد بڑھتی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ فرماتے تھے آجکل پیروں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی مرید انکی خدمت میں آتا ہے اگر اس نے اتفاق سے سر بھی کھجلایا تو معاً پیر صاحب کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید عمامہ سے نذرانہ نکالتا ہے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسی مغلوبیت شان ولایت ہے انبیاء کی یہ شان نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مغلوب الحال نہ تھے اسی لئے آپ کا یہ فعل بہت بڑا امتحان تھا۔

(۱) قوالی وغیرہ سننے کا عادی ہونے کے باوجود

پختہ ارادہ

اب سنیے کہ اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام سے دو فعل صادر ہوئے۔ ایک ذبح ولد(۱)۔ دوسرا ذبح کبش(۲)۔ شاید یہ شبہ ہو کہ دو فعل کہاں ہوئے کیونکہ یہاں تو فقط دنبہ ذبح ہوا تھا نہ کہ بیٹا۔ یہ شبہ ایک شرعی قاعدہ کے سننے کے بعد بالکل رفع ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ شریعت میں ثواب وعقاب کا دارومدار ارادہ مصمم فعل اختیاری(۳) پر ہے خواہ وہ فعل کسی مانع یا عدم شرائط کی وجہ سے وقوع میں نہ آئے(۴)۔ ایسی صورت میں چونکہ اس شخص کی طرف سے فعل اختیاری کا ارادہ مصمم ہو چکا تھا لہذا موجب ثواب یا عقاب(۵) ضرور ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ارادہ مصمم زنا کا کر کے چلا۔ اور خاص موقع پر پہنچا اور زنا کرنے کو تیار ہو بیٹھا اتفاق سے چھت گر پڑی۔ اور دب کر مر گیا تو حالانکہ اس شخص نے زنا نہیں کیا مگر چونکہ ارادہ مصمم ہو چکا تھا لہذا اشر عازانی ہو کر مرا۔

علی ہذا نماز کا مصمم ارادہ کر کے کھڑا ہوا اور اسی طرح زلزلہ سے چھت گر گئی۔ تو نماز کا اجر اس کو مل گیا۔ پس اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام کو جب حکم ذبح ولد کا ہوا تو انھوں نے فورا ارادہ بھی مصمم کر لیا اور اس فعل ذبح کو کر بھی ڈالا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ اور فعل دونوں وقوع میں آئے۔ کیونکہ ذبح کے معنی ہیں امرار السکین علی الحلقوم یعنی چھری کا گلے پر پھیرنا۔ اور یہ فعل ابراہیم علیہ السلام سے بطریق اتم(۶) صادر ہوا تو پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ولد کو بھی

---

(۱) بچہ ذبح کرنا (۲) دنبہ ذبح کرنا (۳) شریعت میں کسی فعل اختیاری کے پختہ ارادہ کر لینے پر ثواب اور گناہ کا مدار ہے (۴) چاہے آدمی کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہ فعل نہ کر سکے (۵) اس شخص کے پختہ ارادہ ہونے کی وجہ سے ثواب یا گناہ ہوگا (۶) چھری پھیرنے کا عمل ابراہیم علیہ السلام نے مکمل طور پر سرانجام دیا۔

ذبح کر ڈالا۔ اور مستحق اجر عظیم ہوئے۔ رہا اس ذبح کرنے کے بعد ولد کا ذبح ہو جانا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فعل نہیں بلکہ اثر ہے فعل کا۔ جس پر ثواب وعقاب کا دار ومدار نہیں۔ نہ یہ فعل کوئی ضروری ہے یہ ایک جدا امر (۱) ہے اور قاعدہ شرعیہ مذکورہ کو باری تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے "ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" (۲) (یعنی تمہارے دلوں میں جو ارادے ہیں ان کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب سے محاسبہ کرے گا) ان ارادوں سے مصمم ارادے (۳) مراد ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اور انبیاء کی وحی سچی ہوتی ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے ذبح ولد کو خواب میں دیکھا تھا تو یہ وحی بھی سچی ہوگی۔ لہٰذا ذبح ولد کو ثابت ماننا پڑے گا شرعاً بھی اور لغۃً بھی گو ذباح کا وقوع (۴) نہ ہوا ہو۔

قربانی کا ظاہر و باطن

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بجائے اسمٰعیل علیہ السلام کے دنبہ ذبح کرا دیا۔ یہ تو اس اضحیہ کا ظاہر ہوا، اور اس کا باطن یہ ہے کہ حقیقت میں نفس کا ذبح کرنا مطلوب تھا جو بذریعہ ذبح ولد لکل آیۃ ظھر و بطن (۵) کے اصل پر یہ بطن ہے اضحیہ کا۔ یعنی جس طرح ہر عبادت کی ایک صورت ہوتی ہے یعنی ظہر۔ اور ایک روح ہوتی ہے یعنی بطن۔ اسی طرح اس اضحیہ کی بھی جیسے ایک صورت ہے جو سب کو معلوم ہے۔ اسی

(۱) یہ ایک الگ کام ہے (۲) سورۃ بقرہ آیت ۲۸۴ (۳) پختہ ارادے (۴) اس بات کو لغت اور شریعت کے اعتبار سے تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا اگرچہ بیٹا حقیقتاً ذبح نہ ہوا تھا (۵) ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن

طرح ایک روح بھی ہے یعنی ذبح نفس۔ کہ وہی ذبح ولد کی بھی روح ہے تو حقیقت قربانی کی فناء نفس(۱) ہوئی۔ اسی واسطے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ذبح ولد کا ہوا نہ کہ اپنی ذات کے ذبح کا۔ اسلئے کہ اولاد کی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹنا جس قدر نفس پر شاق اور سخت ہے (اور واقعی بہت ہی بڑا سخت فعل ہے کہ تصور سے بھی دل کانپتا ہے) اپنی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹ لینا اس کے مقابلہ میں آسان ہے کوئی باپ بحالت ہوش و حواس کبھی اس فعل کو گوارا نہ کرے گا بلکہ اپنی جان دے دینا نہایت آسان اور سہل سمجھے گا۔ اور فناء نفس کے یہی معنی ہیں کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنا۔ اور یہ معنی ذبح ولد میں خود اپنے کو ذبح کرنے سے بہت زیادہ موجود ہیں۔ پس اب بتلایئے یہ باطن کونسی نص کے خلاف ہے۔

تصوف نام علم وعمل کا ہے

یاد رکھو، کہ محققین صوفیہ کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوتی۔ اگر ہو تو وہ تصوف نہیں زندقہ ہے مگر ان حقائق کے سمجھنے کیلئے صحبت محققین کی ضرورت ہے کتابوں کے دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتے۔ اور نہ محض فن دانی سے یہ معانی حاصل ہوتے ہیں کیونکہ تصوف کوئی کتابی فن نہیں۔ بلکہ یہ تو مجموعہ ہے علم وعمل کا اور یہ دونوں جب حاصل ہوتے ہیں کہ کسی شیخ کامل کے اپنے آپ کو سپرد کردے اور علم وعمل میں اسکا اتباع کامل کرے۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو(۲)

(۱) نفس کی خواہش کو مٹانا (۲) علمی باتیں چھوڑ دا پنے اوپر حال طاری کرد کہ اس علم کا عملی نمونہ بن جائے کبھی کامل بزرگ کیسامنے اپنی خواہشات کو مٹادو

پیری مریدی کا حاصل

اور سپردگی کے بھی یہ معنی ہیں کہ جس طرح شیخ کامل اس نفس متکبر کی اصلاح فرمائے۔ خواہ ظاہری بداخلاقی کی چھری سے خواہ خوش اخلاقی سے۔ یہ طالب سب کو برداشت کرے اور سب کو اپنے لئے نہایت نافع خیال کر کے خوش ہو۔ بلکہ ایسے پیر کا زیادہ احسان مند ہو جس کو عام لوگ بداخلاق سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں اس نفس متکبر کا علاج یہی ہے کہ جس کو لوگ بداخلاقی سمجھتے ہیں۔

بعض لوگ اپنے پیر سے محض اس بناء پر منحرف(۱) ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ مریدوں کیساتھ رسمی خوش اخلاقی کا معاملہ نہیں کرتا۔ یہ محض نادانی(۲) ہے۔ چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں پیر تو سخت مزاج ہیں کسی خوش اخلاق پیر سے مرید ہونا چاہئے۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے اور ایسی پیری مریدی محض برائے نام ہے کچھ بھی نافع(۳) نہیں۔

پیری مریدی کا حاصل اصلاح نفس ہے، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ تم اپنے کو پیر کے بالکل سپرد کردو کہ وہ حسب حال جس تدبیر سے چاہے اصلاح فرمائے۔ سب کو قبول اور برداشت کرنا چاہئے۔ ورنہ اگر اس کی تدابیر اصلاح کی برداشت کی قوت نہ ہو تو کسی پیر سے مرید ہی نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اگر کسی وقت پیر نے اصلاح کیلئے زجر و توبیخ(۴) فرمائی اور مرید کے نفس متکبر نے برداشت نہ کیا تو پیر کی برائی ان کے دل میں آئے گی پھر بجائے اصلاح کے طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہو جائے گا ایسے شخص کو یہی بہتر ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے۔

---

(۱) پھر جاتے ہیں (۲) بے وقوفی (۳) فائدہ مند نہیں (۴) ڈانٹ ڈپٹ

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی(۱)

جس شخص کو آپریشن کا تحمل نہ ہو اس کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہی نہ چاہئے۔ اور اگر جاؤ گے اور اس کے نزدیک آپریشن کی ضرورت ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا ورنہ وہ ڈاکٹر نہیں بلکہ رہزن ہے۔

بلا مشقت اصلاح کے خواہش مندوں کی تمثیل

مولانا(۲) نے یہ شعر ایک قصہ کے اندر فرمایا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی گودنے والے مصور سے کہا تھا کہ میرے بدن پر شیر کی تصویر بنادے اس نے کہا بہت اچھا اور ایک سوئی کا چوکا(۳) بدن میں لگایا تو اس شخص نے سسکی(۴) بھر کر کہا میاں کیا بناتے ہو؟ کہا دُم بنا رہا ہوں۔ بولا کہ میاں دم کو چھوڑ دو دوسری شئی(۵) بناؤ دم نہ ہوئی تو کیا؟ شیر لنڈورا(۶) بھی تو ہوتا ہے۔ گودنے والے نے کان کا نقشہ گودنا شروع کیا، پھر سسکی بھری اور پوچھا کیا بناتے ہو؟ کہا کان کہنے لگا کہ اگر کان نہ ہوئے تو کیا؟ شیر بوچا(۷) بھی تو ہوتا ہے کانوں کو چھوڑ دو، اور کچھ بناؤ۔ پھر اس نے اور جگہ سوئی لگائی تو وہ پوچھتا ہے کہ اب کیا بناتے ہو۔ کہا پیٹ۔ کہنے لگا کہ اسکو پیٹ کی کیا ضرورت ہے اس کو کچھ کھانا پینا تھوڑا ہی ہے۔ گودنے والے نے تنگ آکر سوئی پھینک دی اور کہا کہ صاحب میں نے ایسا شیر نہیں دیکھا جس کے سر کان پیٹ اور دم کچھ بھی نہ ہو۔

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید　　ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید(۸)

---

(۱) ہر زخم پر تو نا گواری کا اظہار کرتا بھلا کہیں بغیر رگڑے آئینہ بھی بنا ہے (۲) مولانا رومؒ (۳) جسم میں سوئی چبونی (۴) تکلیف کی شدت سے آہ کھینچی (۵) دوسری چیز (۶) بغیر دم کا (۷) کن کٹا (۸) بغیر کان، سر اور پیٹ کا شیر کہاں دکھائی دیتا ہے ایسا شیر تو اللہ میاں نے بھی پیدا نہیں کیا۔

بس مجھے معاف رکھئے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن — از چنیں شیر ژیاں بس دُم مزن(۱)

اور فرماتے ہیں

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی — پس کجا بے صیقل آئینہ شوی(۲)

غرض جیسا کہ یہ شخص عدم تحمل کی وجہ سے نقشہ شیر سے محروم رہا۔ ایسے ہی وہ لوگ جو پیر کی اصلاح کو برداشت نہیں کرتے اصلاح نفس سے محروم اور محض کورے رہ جاتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو پیر حسب حال مرید کبھی زجر و توبیخ سے پیش آئے اور کبھی شفقت سے۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا پیر مریدین پر بہت ہی مہربان ہے اسکو مریدین کا نفع مدنظر ہے اپنی منفعت سے کچھ علاقہ نہیں۔

حضرت ابوسعید کی اصلاح کا قصہ

حضرت ابوسعید گنگوہیؒ بارادہ بیعت گنگوہ سے بلخ(۳) کو چلے۔ جب اس شہر کے قریب پہونچے تو شیخ نظام الدین بلخیؒ کو جنکی خدمت میں یہ جا رہے تھے خبر ہوئی، تو شیخ اور اس شہر کا حاکم صاحبزادہ ابوسعید علیہ الرحمۃ کے استقبال کو آئے کیونکہ یہ شیخ نظام الدینؒ کے دادا پیر شیخ عبدالقدوس کے پوتے تھے پس یہ سن کر صاحبزادے تشریف لائے ہیں۔ نہایت شاندار استقبال کے ساتھ ملاقات کی اور نہایت تلطف(۴) اور اخلاق سے پیش آئے، اس لئے کہ آخر صاحبزادے تھے۔ بعد ملاقات وغیرہ کے دریافت کیا کہ صاحبزادے کیسے تکلیف فرمائی۔ عرض کیا بارادۂ(۵) بیعت حاضر ہوا

(۱) جب ایک سوئی چبھنے کی تکلیف کی برداشت بھی نہیں ہے تو اپنے جسم پر شیر بنوانے کی تمنا نہ کرو۔ (۲) ہر زخم پر ناگواری کا ہے بھلا کہیں بغیر رگڑے آئینہ بھی بنتا ہے (۳) شہر کا نام ہے (۴) مہربانی (۵) بیعت کے ارادہ سے

ہوں۔ یہ سنتے ہیں فوراً تیور(۱) بدل گئے۔اب کہاں کا اخلاق کہاں کی شفقت کہا بہت بہتر، جاؤ باورچی خانہ کی خدمت تمہارے سپرد ہے اور فرمایا فلاں مدت تک میرے سامنے نہ آنا۔ چونکہ آدمی بنانا مقصود تھا اور اسمیں بدوں تیور(۲) بدلے ہوئے کام نہیں چل سکتا تھا اصلاح کامل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد(۳)

دنیادار پیروں کی پہچان

اور جو پیر کہ مرید کی مرضی کا لحاظ رکھے ہر امر میں موافقت کا اظہار کرے جو مرید کیلئے سم قاتل(۴) ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ پیر دنیادار اور رہزن(۵) ہے، دوکاندار ہے جو فقراء کا لباس پہن کر اور کچھ صوفیہ کے چٹکلے(۶) یاد کر کے لوگوں کو مکر وفریب میں مبتلا کر کے اپنی دکان چلا رہا ہے۔

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد
اے بساخرقہ کہ مستوجب آتش باشد(۷)

ایسے ہی لوگوں کے حق میں مولاناؒ فرماتے ہیں۔

حرف درویشاں بدزدد مردوں تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں(۸)

اور فرماتے ہیں

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخنہا عالمے راسوختند(۹)

---

(۱) انداز بدل گئے (۲) بغیر سخت رویہ اختیار کئے اصلاح نہیں ہوسکتی (۳) نازوں سے پلے ہوئے اور نعمتوں کو پائے ہوئے دوست تک نہیں پہنچ سکتے عاشقی بغیر مصیبت اٹھائے حاصل نہیں ہوتی (۴) ہلاک کرنے والا زہر (۵) ڈاکو (۶) صوفیہ کے لطائف (۷) ہر صوفی کا مال بے کھوٹ نہیں ہوتا صوفیوں کے بہت سے کپڑے اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کو جلا ڈالا جائے (۸) گھٹیا لوگ درویشوں کے الفاظ کی نقالی کرتے ہیں تاکہ جہلاء کو اپنا گرویدہ بنا سکیں۔ (۹) وہ قوم بڑی ظالم ہے جو اپنی آنکھیں سی لیتی ہے اپنی گفتگو سے ساری دنیا کو جلا دیتی ہے

یادرکھو محض باتیں بنانے سے آدمی صوفی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے باطن میں معرفت الٰہی ہونا شرط ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند(۱)

اور معرفت کے آثار میں سے ہے استغناء اور کسی کو دھوکہ نہ دینا اور اسرار کو نااہل سے مخفی رکھنا۔

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی(۲)

اور انکا تو یہ حال ہوتا ہے

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی غریق(۳)

دمادم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم در کشند(۴)

غرض فقراء کی سی صورت بنانے سے فقراء کا سا لباس پہننے سے نہ آدمی فقیر ہی بنتا ہے اور نہ فقیری آتی ہے۔ البتہ دکان خوب چلتی ہے۔ عوام جہلاء خوب پھنستے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اگر محبوب حقیقی کی طلب صادق(۵) ہے تو شیخ کامل کی ان تدابیر کو جو موصل الی الحق(۶) ہیں برداشت کرنا چاہئے۔ گو کیسی ہی نفس کو ناگوار ہوں۔ دیکھو مخلوق کی طلب میں کیسے کیسے مصائب اٹھائے جاتے ہیں سبکی(۷) برداشت کی جاتی ہے اور بخوشی گوارا کی جاتی ہے۔ تو کیا محبوب حقیقی کی طلب میں اتنی مشقت بھی

---

(۱) یہاں بال سے بھی باریک ہزاروں نکتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس نے سر منڈا رکھا ہو قلندر ہی ہو (۲) عشق و مستی کے راز مدعی کو نہ بتاؤ تا کہ وہ اپنی خود پرستی کے رنج میں خود ہی مر جائے (۳) تو تعجب کرتا ہے کہ سالکان طریق پر کہ وہ معنی کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ (۴) سالکان طریق غٹا غٹ غم کی شراب پی لیتے ہیں اگر کڑوی بھی ہو تو ایک ہی سانس میں پی لیتے ہیں (۵) اللہ تعالیٰ کی سچی طلب (۶) ایسی تدابیر جو حق تک پہنچانے والی ہیں (۷) شرمندگی

برداشت نہ ہو۔عجیب بات ہے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر اُو اولےٰ بود(۱)

خلاصہ یہ کہ جن حقائق کا اس وقت بیان ہو رہا ہے وہ ایسے حضرات کی صحبت واطاعت سے منکشف ہوتے ہیں۔

اب عود الی السابق (۲) کرتا ہوں۔کہ ہر عبادت کی ایک روح ہوتی ہے اور روح قربانی کی فناءِ نفس ہے جو بذریعہ ذبح ولد واقع ہوئی تھی۔

فنائے نفس کی حقیقت

اور فناءِ نفس یہ ہے کہ خلاف خواہش کام کرنا اگر نفس کی آرزو چار نوافل کی ہو تو آٹھ پڑھی جائیں۔علی ہذا القیاس اگر صوم نفل سے اعراض کرے اور صلوۃ نفل پر خوش ہو تو صوم نفل کو اختیار کرے (۳)۔ایک بزرگ کو جہاد فی سبیل اللہ کی خبر پہونچی تو نفس کی خواہش ہوئی کہ چلنا چاہئے۔مگر متردد ہوئے کہ کہیں اس ارادہ میں نفس کا شائبہ نہ ہو۔حق تعالی سے دعا کی کہ مجھے اس تقاضا کی حقیقت بتلا دی جائے۔چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ نفس کی خواہش جہاد کی طرف اس بناء پر ہے کہ ایک دفعہ ہی جو کچھ ہونا ہے ہو رہے گا، یہ روز کے مجاہدوں اور جرکوں (۴) سے تو نجات مل جاوے گی۔پس فوراً جہاد کو ملتوی کر دیا اور اس شغل میں جو نفس کے خلاف نفس کشی (۵) کا تھا۔مشغول ہو گئے۔ان کو اسی میں لطف آتا ہے کہ اس نفس پر روزانہ آرہ چلتا رہے۔

---

(۱) مولی کا عشق لیلی کے عشق سے کہاں کم ہو سکتا ہے اس کے عشق کیلئے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا بہتر ہے
(۲) پچھلے مضمون کی طرف لوٹتا ہوں (۳) دل اگر نفلی روزہ رکھنے سے گھبرائے اور نفلی نماز پڑھنے سے خوش ہو تو نفلی روزہ رکھے (۴) روز روز کی مشقت اور تکلیف سے نجات مل جائے گی (۵) نفس کی خواہشات کو کچلنے کا تھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہرزماں از غیب جانے دیگر است(۱)

افروختن و سوختن جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت(۲)

عاشقی چیست؟ بگو بندہ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن(۳)

غرض حاصل یہ ہے کہ فناء نفس کا اور زہر کھالینے کا نام فناء نفس نہیں ہے اور یہی فناء مذکور روح اضحیہ ہے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ تصوف کے مسئلے اس طرح ثابت ہوتے ہیں کہ سراپا مطابق قرآن وحدیث کے ہیں۔

قربانی کے باب میں کی جانے والی کوتاہیاں

اب میں کچھ احکام متفرق قربانی کے بیان کر کے ختم کرتا ہوں کیونکہ مقصود احکام ہیں نہ کہ نکتے۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ قربانی کی روح فناء نفس ہے تو جس قربانی میں فناء نفس نہ ہو، وہ قربانی بے روح ہے گویا قربانی ہی نہیں۔ اب بعض ان کوتاہیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جونفس کی متابعت میں اختیار کی جاتی ہیں۔ جوفناء نفس کے بالکل خلاف ہے یہ متعدد کوتاہیاں ہیں مثلاً بعض لوگ قربانی بخل(۴) کی وجہ سے نہیں کرتے اور بعض دوسری قوموں کی رعایت سے نہیں کرتے۔ اس کی زیادہ تر یہ وجہ ہے

(۱) تسلیم کے خنجر سے مارے ہوئے لوگوں کو ہر لمحہ اپنی جان اللہ کے راستہ میں دینی پڑتی ہے (۲) بھڑکنا جلنا کپڑے پھاڑ دینا پروانے نے شمع نے پھول نے مجھ سے سیکھا ہے (۳) عاشقی کیا ہے کہہ دو کہ محبوب غلام بن جانا دل دوسرے کے ساتھ میں دے کر حیران رہ جانا (۴) کنجوسی

کہ ان لوگوں میں اسلامی قوت کامل نہیں۔ اس لئے کہ قوت کاملہ کا یہ خاصہ ہے کہ کسی دوسری قوت کے اثر کو قبول نہ کریں۔ باوجودیکہ اسلامی قوت تمام قوتوں سے نہایت زبردست ہے پھر بھی جو بعض اہل اسلام بوجہ دیگر اقوام(۱) کے میل کے قربانی نہیں کرتے یا گائے کی قربانی پسند نہیں کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کی اسلامی قوت کمزور ہوگئی اور آبائی اثر ان سے جاتا رہا ہے۔ جیسے بعض اولاد نالائق اپنے باپ کے اثر کو قبول نہیں کرتی ہے پھر کہتے ہیں کہ گائے کی قربانی کی کیا ضرورت ہے جبکہ دوسرے جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے اور کہتے ہیں کہ اس صورت میں گائے کی قربانی محض تعصب ہے۔

تعصب اور تصلب میں فرق

میں کہتا ہوں کہ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ تعصب کسے کہتے ہیں پس سنو کہ تعصب کے معنی ہیں ناحق بات کی پچ(۲) کرنا۔ اور ایک چیز تصلب ہے جس کے معنی ہیں حق پر پختہ اور مضبوط ہونا اب بتلاؤ کہ گائے کا ذبح کرنا شرعاً حق ہے یا ناحق یقیناً حق ہے اور جو اس کو ناحق کہے گا اس کے اسلام میں کلام ہے جب یہ حق ہے تو اس پر پختہ اور مضبوط ہونا تعصب کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ یہ تو تصلب فی الدین(۳) ہے اور تصلب فی الدین محمود(۴) و مطلوب ہے۔

ہندوؤں کی رعایت سے گائے کی قربانی ترک کرنے کے نقصانات

پھر افسوس ہے کہ جن سے تم میل کرنا چاہتے ہو وہ تم سے میل کرنا نہیں

---

(۱) ہندوؤں کے میل جول کی وجہ سے کیونکہ وہ ہندوؤں کے نزدیک متبرک ہے اس لئے گائے کی قربانی کو پسند نہیں کرتے (۲) ناحق بات پر اڑ جانا (۳) دین پر پختگی سے جمنا (۴) پسندیدہ ہے

چاہتے۔ ورنہ اسکی کیا وجہ ہے کہ تم نے تو ہنود کی دوستی کہ وجہ سے گائے کاٹنا چھوڑ دیا۔ مگر ہنود نے تمہاری محبت میں گائے کاٹنا منظور نہیں کیا۔ تم نے تو ہنود کے اثر کو جو نہایت لچر(۱) اور بیہودہ اور ضعیف ہے قبول کیا اور ہنود نے تمہارے اثر کو جو نہایت قوی اور مستحسن ہے قبول نہ کیا۔ حقیقت میں اسلامی قوت وہ ہے کہ تمام قوموں پر غالب ہے وہ کسی کے اثر کو نہیں قبول کر سکتی بلکہ اپنا سکہ دوسری قوموں پر جماتی ہے اور یہاں بالعکس(۲) ہے تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں اسلامی قوت ہی نہیں۔

اور گائے کاٹنا اور اسکا گوشت کھانا اگر چہ فی نفسہ فرض اسلامی نہیں لیکن اس وقت شعار اسلامی ضرور ہے جو فی الحقیقت اسلام ہے۔ اور شعار اسلامی کو کسی مخالف اسلام کے خوش کرنے کو چھوڑ دینا بڑے سے بڑا گناہ ہے۔ اور اگر اس کے شعار ہونے سے بھی قطع نظر کیا جاوے، تب بھی ہمارے مذہب میں اس کا کاٹنا اور کھانا اس بناء پر ثواب تو ہے کہ اس میں ہنود کے عقیدہ شرکیہ کی مخالفت ہے۔ تو آپ نے تو ہنود کی محبت کو اس قدر رنباہا کہ ثواب کو چھوڑا۔ لیکن افسوس ہنود نے آپ کی محبت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ کم از کم اتنا تو کرتے کہ اگر وہ گائے نہ کاٹتے، تو مسلمانوں سے سود ہی لینا چھوڑ دیتے۔ مسلمانوں کو قرض بلا سود دے دیا کرتے۔

یہ عجیب اتفاق واتحاد ہے کہ آپ تو ہنود کی محبت میں سب کچھ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں اور وہ آپ کو ہر بات میں ٹکا سا جواب دے جائیں۔ غرض مسلمان آج کل ہنود کا بکثرت اثر لیتے ہیں مگر یہ شان اسلام کے بالکل خلاف ہے یہ تو گائے کاٹنے کے متعلق تذکرہ تھا بعض لوگوں نے کاٹنے سے تو تعرض نہیں کیا۔ لیکن ہنود کے

(۱) کمزور اور ناقابل اعتبار ہے (۲) اس کا الٹا معاملہ ہے

اثر سے گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے اور یہ سب گائے کے نہ کاٹنے یا اس کے نہ کھانے میں گویا ہنود کے مشابہ بن گئے۔

تشبہ بالکفار کا نقصان

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے۔اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ کوئی بزرگ ہولی(۱) کے دنوں میں پان کھاتے ہوئے جارہے تھے۔اتفاق سے راستہ میں ایک بیمار گدھا پڑا تھا۔انھوں نے اس پر پیک ڈال دی اور کہا تجھے ہولی میں کسی نے نہیں رنگا، لا تجھے میں رنگ دوں۔ بعد مرنے کے کسی نے خواب میں دیکھا کہ ہنود کی جماعت میں ہیں۔ پوچھا اس کا کیا سبب ہے جواب دیا کہ میں نے ہولی میں گدھے پر پیک ڈالدی تھی عتاب ہوا۔ کہ تو نے ہنود کی مشابہت رنگ ڈالنے میں کیوں کی تھی لہذا ہنود کی جماعت میں رہو۔ پس ذبح گاؤ کا ترک تشبہ سے بھی خالی نہیں۔

گائے کا ذبح کرنا بے رحمی نہیں

اور بعضے لوگ گائے کی قربانی اس وجہ سے نہیں کرتے، کہ وہ دعوئ رحم کا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قربانی بے رحمی ہے۔مگر تماشہ ہے کہ وہ بکری وغیرہ کی قربانی کرتے ہیں اس صورت میں یہ دعوئ عقل کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ روح کا تعلق جیسے گائے سے ہے ویسے ہی بکری وغیرہ سے ہے جب بکری کی قربانی بے رحمی

(۱) ہندوؤں کا تہوار ہے جس میں وہ ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں

نہیں تو گائے کی قربانی بے رحمی کیوں ہے اور اگر گائے کی قربانی بے رحمی ہے بکری وغیرہ کی بھی بے رحمی ہے پھر ایک جگہ دعویٰ رحم اور ایک جگہ نہیں یہ تو انصاف کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں اگر چہ اس نے بکرے کی قربانی کی مگر پھر بھی یہ فعل روح اضحیہ کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ شخص نفس کی موافقت کر رہا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا جو فنائے نفس کے خلاف ہے اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ روح اضحیہ(۱) کی فنائے نفس ہے تو اس شخص کو روح اضحیہ جب حاصل ہوگی جب کہ یہ گائے کی قربانی کرے جو اس کے نفس کے خلاف ہے۔

شاید کوئی یہ کہے کہ بعض صوفیہ نے بھی تو گوشت کھانا چھوڑا ہے لہذا ہم بھی چھوڑتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیہ نے جو چھوڑا ہے وہ معالجہ نفس کی غرض سے چھوڑا ہے جیسا کہ بیمار کو بیماری کے زمانہ میں لذیذ غذاؤں سے روکا جاتا ہے اور گوشت ہی کیا صوفیہ نے تو تمام لذیذ کھانے چھوڑ دیئے ہیں تا کہ نفس کشی ہو۔ انہوں نے کسی قوم کے خوش کرنے کیلئے یا بوجہ رحم کے ترک نہیں کیا تھا۔ صاحبو! لوگوں نے تصوف کو سمجھا نہیں اور اس کو غلط استعمال کیا چنانچہ گوشت کے ترک کو بھی تصوف سمجھ گئے جو سخت غلطی ہے اور تصوف کی غلطی کفر تک پہونچتی ہے کیونکہ تصوف اعلیٰ درجہ کی شئے ہے جب اس میں غلطی واقع ہوتی ہے تو اسی پیمانہ پر جیسا کہ سوکھی روٹی اس درجہ نہیں سڑتی جس درجہ قورمہ سڑتا ہے۔ غرض صوفیہ کی حالت پر اپنے کو قیاس کرنا محض لغو ہے۔

---

(۱) قربانی کی روح

اللہ تعالیٰ کی رحیمی وکریمی

نیز جولوگ گائے ذبح نہ کرنے میں دعویٰ رحم کرنے کا کرتے ہیں وہ بدفہم بھی پورے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کا بھی حکم دیا ہے اور جانوروں پر رحم کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے اگر قربانی خلاف رحم ہوتی تو اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحیم ہیں وہ کیوں اسکا حکم فرماتے مگر جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم فرمایا ہے اب اسکو بے رحمی کہنا گویا معاذ اللہ خدا کو بے رحم کہنا ہے۔

رہا یہ کہ خدا نے کہاں حکم کیا ہے تو اس کیلئے ہم قرآن سے ثبوت دے سکتے ہیں۔ اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا عقلی دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں جس کا جی چاہے گفتگو کر لے تو اس صورت میں اس کو بے رحمی کہنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تو رحیم نہیں اور حضرت انسان ایسے رحیم ہیں کہ اس نے قربانی کو بالکل خلاف رحم سمجھا۔ تو گویا حضرت انسان صفت رحیمی میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ٹھہرے نعوذ باللہ من ذلک(۱)۔

اللہ تعالیٰ کے برابر جانوروں پر تو کیا دشمنوں پر بھی کوئی رحم نہیں کر سکتا۔ ان کی رحیمی کو دیکھئے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دسترخوان پر ایک کافر آ گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول تو یہ سمجھ کر کہ مسلمان ہے بٹھالیا۔ اور جب بسم اللہ نہ کہنے پر اور اسکی وجہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ دشمن خدا ہے فوراً دسترخوان سے اٹھا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا کہ اے ابراہیم اسکو نوے برس کفر کرتے کرتے ہو گئے۔ ہم نے ایک وقت بھی اس پر کھانا بند نہیں کیا اور تمہارے

---

(۱) ہم اس غلط عقیدے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں

دسترخوان پر عمر بھر میں ایک دفعہ آ گیا تم نے اس کو دھکے دے دیے(۱)۔

گراو می برد پیش آتش سجود تو واپس چرا میکشی دست جود(۲)

خورش دہ بہ کبشک و کبک وحمام کہ شاید ہمائے درافتد بدام

چو بر گوشہ تیر نیاز افگنی بناگاہ بینی کہ صیدے کنی(۳)

ایک بار حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چالیس برس تک مٹی کے برتن بناؤ چنانچہ حسب الحکم چالیس برس تک انھوں نے مٹی کے برتن بنائے پھر حکم ہوا کہ سب کو توڑ ڈالو انھوں نے حسب الحکم سب توڑ ڈالے لیکن قلق ہوا کہ افسوس میں نے ان برتنوں کو بنا کر ایک بار دیکھا بھی نہیں۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد(۴)

حکم ہوا کہ اے نوح دیکھو اپنی بنائی چیز کا تم کو کس قدر قلق ہوا، اب سوچو کہ ہم نے تمہارے کہنے سے اپنی بنائی مخلوق کو ایک دم غرق کر دیا۔

ذبح سے جانور کو تکلیف کم ہوتی ہے

غرض اللہ تعالیٰ نے جب جانور بنائے اور ان کے حقوق ثابت کیے اور ان پر

---

(۱) اس قصہ کا بقیہ یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کافر کو دوبارہ بلایا کہ آؤ میرے ساتھ کھانا کھالو چاہے بسم اللہ نہ پڑھنا اس نے کہا کہ پہلے تو مجھے کھانے سے منع کر دیا اب بلاتے ہو اس کی کیا وجہ ہے تو حضرت نے بتایا کہ میرے رب نے مجھے یہ بات کہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے یہ سن کر وہ شخص مسلمان ہو گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔ (۲) اگر وہ آگ کو سجدے کرتا ہے تو تو کیوں اس سے سخاوت کا ہاتھ کھینچتا ہے (۳) ہما کو شکار کرنے کیلئے چڑیا چکور اور کبوتر کو بھی دانہ ڈالنا پڑتا ہے تیر کے سرے پر حاجتوں کو ڈالا ہے کہ جب اچانک اس پر نظر پڑے گی تو تو اسکو شکار کر لے گا۔ (۴) افسوس کہ میں ابھی محبوب کو پل بھر بھی نہ دیکھ پایا تھا کہ ملاقات ختم ہو گئی پھول کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ پائے کہ بہار ختم ہو گئی۔

رحم کرنے کی بھی تاکید فرمائی اور پھر بھی قربانی کا حکم دیا۔ تو معلوم ہوا کہ قربانی خلاف رحم نہیں ہے۔ اور غالب خاصیت عادۃً رحم کی یہی ہے کہ اگر کوئی عارض قوی نہ ہو تو تکلیف سے بچاتے ہیں۔ تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ بظن غالب (۱) جانوروں کو ذبح ہوتے ہوئے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنا زعم کیا جاتا ہے یعنی طبعی موت سے زیادہ نہیں ہوتی بلکہ کم ہوتی ہے۔ یہ تو حکم طبعی ہے اور ذوق سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اتنی کم ہوتی ہو کہ مثل نہ ہونے کے ہو کیونکہ عاشق کیلئے بڑی خوش نصیبی ہے کہ محبوب کے سامنے گردن جھکے اور اس کے نام پر قربان ہو جائے اور خدا تعالیٰ سے محبت ہر چیز کو ہے اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ محبوبان خدا سے ہر شئے کو محبت ہوتی ہے ان مقدمات پر نظر کر کے تو یہ کہا جاوے گا کہ ذبح کے وقت قربانی کے جانور کا یہ حال ہوگا۔

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے ۔ کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ذبح کے وقت تکبیر پڑھنے کی حکمت

جس وقت جانور کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہوں تو خوشی میں مست ہو جاتا ہے یہی نکتہ ہے اس میں کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے کہ اس سے جانور مست ہو جاتا ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسکی ایک نظیر بھی ہے کہ شہداء کو خدا کے نام پر سر دینے کی خاص خوشی ہوتی ہے اور انکو کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ البتہ جانور اپنی مستی کو بوجہ بے زبان ہونے کے ظاہر نہیں کر سکتا۔ مگر شہداء کی مستی تو ظاہر بھی ہو جاتی ہے لوگوں کے سامنے سینہ سپر (۲) ہونا اور بے تحاشہ معرکہ میں گھس جانا ہر شخص کو نظر آتا ہے۔ یہ تو شہادت کے مبادی ہیں جن میں مجاہد کی لذت

(۱) غالب گمان یہ ہے (۲) سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہیں

ظاہر ہوتی ہے باقی خود شہادت کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کو قتل ہونے پر ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ ایک چیونٹی کا کاٹا ہوا۔ اور خوشی اور مستی کیوں نہ ہو وہ تو بزبان حال یوں کہتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

پس اسی طرح جانوروں کو بھی ذبح سے تکلیف نہیں ہوتی بلکہ چونکہ ان کی آرزو ہے کہ ہم اللہ کے نام پر قربان ہوں اس وجہ سے ان کی قربانی کر کے ان کو راحت پہنچائی جاتی ہے۔

قربانی کرنا مسلمانوں کی رحم دلی کی دلیل ہے

پس جاہل وہ شخص ہے جو بے رحمی کے خیال کی وجہ سے قربانی چھوڑتا ہے اسی طرح قربانی کو دیکھ کر بعض مخالف قوموں کا یہ کہنا ہے کہ مسلمان بے رحم ہیں یہ ان کی سخت غلطی ہے اس لئے کہ رحم ایک کیفیت وجدانی ہے ہر ایک شخص کو اپنی کیفیت معلوم ہے دوسرے کی کیفیت ہرگز نہیں معلوم ہوسکتی۔ باوجود عادت ذبح کے مسلمانوں کی صفت رحم کی یہ بھی دلیل ہے کہ مسلمان باوجودیکہ قربانی کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کے دل میں اس قدر رحم ہے کہ وہ کسی جانور کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے۔ بلکہ واللہ مسلمان تو عین ذبح کرتے ہوئے بھی جانور پر رحم کرتے ہیں۔ اور ذبح کی حالت دیکھ کر ان کا دل پگھل جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے ایک دفعہ ایک گائے کی قربانی کی تھی، جس کی قیمت اسی روپے تک قصائی دیتے تھے مگر مولانا

(۱) دشمنوں کے مقدر میں یہ بات نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہوں دوستوں کا سر سلامت ہے تو اس پر اپنے خنجر کو آزمالے

نے نہیں دی اور قربانی کردی۔ لیکن حالت یہ سنی گئی تھی کہ مولانا روتے جاتے تھے اور قربانی کرتے جاتے تھے۔ دیکھئے یہ کتنا بڑا مسلمانوں کا مجاہدہ ہے کہ دل پانی پانی ہوتا ہے اور قربانی کرتے ہیں۔ واللہ یہی نفس کی قربانی ہے کہ نفس کے خلاف کام ہو۔

مجاہدے کی حقیقت

میں نے ایک صوفی سے جس نے سماع کے متعلق مجھ سے سوال کیا تھا کہا کہ بتلاؤ مجاہدہ کیا ہے؟ کہا کہ نفس کے خلاف کرنا۔ میں نے کہا کہ سچ بتلاؤ تمہارا دل گانا سننے کو چاہتا ہے؟ کہا ہاں، میں نے کہا کہ پھر گانا سننا تو مجاہدہ کے بالکل خلاف ہوا پھر گانا کیوں سنتے ہو۔ وہ اس کا جواب کچھ نہ دے سکا محض ساکت رہا۔

حضرت سلطان جی کی حکایت ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک جوگی تھا جس کسی بیمار پر نظر ڈالتا تھا اچھا ہو جاتا تھا۔ اتفاق سے حضرت بیمار ہوئے متعلقین نے عرض کیا کہ حضرت فلاں جوگی سلب مرض(۱) کرتا ہے اگر حکم ہو تو اسکو بلالیں آپ نے ناراضی ظاہر فرما کر انکار کردیا۔ حضرت اتفاق سے ایک روز زیادہ بیہوش ہو گئے تو متعلقین بوجہ غایت محبت وتمنائے صحت کے حضرت کو بیہوشی کی حالت میں اس جوگی کے گھر لے گئے۔ اس نے نظر ڈال کر سلب مرض کرنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت کو ہوش آ گیا اور اچھے ہو گئے۔ گو وہاں لایا جانا حضرت کو ناگوار تو ہوا مگر اس پر بھی یہ چاہا کہ جوگی کے احسان کی مکافات کریں اور اسکو بھی کسی مرض سے اچھا کردیں تو آپنے اس جوگی سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ عمل کس طرح حاصل کیا ہے جوگی نے عرض کیا کہ میرے گرو نے کہا تھا کہ ہر کام نفس کے خلاف کیا کریں بس یہ اس کا اثر ہے۔

(۱) مرض کھینچ لیتا ہے

تو آپ نے توجہ ڈال کر اس سے دریافت فرمایا کہ بتلا تیرا دل اسلام لانے کو چاہتا ہے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر اس میں نفس کے خلاف کیوں نہیں کرتا یہ تو تیرے مجاہدہ میں کسر ہی جاتی ہے اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ ایسا ہی جواب میں نے اس صوفی کو دیا تھا کہ تم خاک مجاہدہ کرتے ہو کہ نفس نے سماع کا تقاضا کیا اور سن لیا۔ دیکھو مجاہدہ ہم کرتے ہیں کہ بعض دفعہ چشتیت کے اثر سے سماع کا تقاضہ اندر سے ہوتا ہے مگر دل کو مار کر رہ جاتے ہیں اور نہیں سنتے۔ سو حضرت یہ مسلمان ہی کا دل ہے کہ نفس کی خواہش پر خاک ڈالتا ہے اور باوجودیکہ رحم سے پانی پانی ہوتا ہے پھر قربانی کرتا ہے۔ واللہ یہ اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے۔

ہر چیز میں اعتدال مطلوب ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ گائے کا ذبح اور اسکا کھانا قرآن سے ثابت نہیں اسکی وجہ قرآن سے ناواقفیت ہے قرآن میں گائے کا ذبح کرنا اور اسکا کھانا دونوں موجود ہیں دیکھو قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن الانعام حمولة و فرشاً کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین ☆ ثمنیة ازواج من الضأن اثنین ومن المعز اثنین قل ء الذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صدقین ☆ ... حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین ام کنتم شهداء اذ وصکم اللہ بهذا فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم ان اللہ لا یهدی القوم الظلمین ☆ (١) اس آیت سے گائے کا ذبح اور اسکا کھانا بالتصریح (٢) ثابت ہو رہا ہے۔ نیز

(١) اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ۔ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم۔ آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم الخ سورۃ الانعام آیت ١٤٢ تا ١٤٤ (٢) صراحت کے ساتھ

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہر شئے میں درجہ اعتدال مطلوب ہوتا ہے حد اعتدال میں جب تک شئے رہتی ہے ٹھیک اور درست رہتی ہے اور جہاں حد اعتدال سے نکلی معاً خراب اور مضر ہو جاتی ہے علی ہذا القیاس رحم بھی اگر حد اعتدال میں رہے تو ٹھیک و درست ہوگا ورنہ مضر (۱) ہوگا۔ دیکھو اگر ہر جگہ رحم کیا جائے جیسا ہنود دعوی کرتے ہیں تو اعتدال نہ رہے گا، افراط ہوگا جیسے بعض لوگ سانپ اور بچھو کو بھی نہیں مار سکتے اور اس کا نتیجہ خراب ہوگا کہ اشرف مخلوقات (۲) یعنی انسان پر تو ظلم ہوگا مگر دوسری اشیاء جو ارذل مخلوق (۳) ہیں یعنی سانپ بچھو وغیرہ ان پر رحم ہوگا جو بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے۔ بس بحمد اللہ ذبح جانور کے متعلق جو شبہات تھے وہ سب رفع ہو گئے۔

حضرت تھانویؒ کا انداز تبلیغ

اگر چہ یہ تقریر مناظرانہ نہیں بلکہ ہم کو خود مناظرہ کا ڈھنگ ہی پسند نہیں۔ نہ ہم کو غیروں کے اعتراضوں پر نظر، نہ ان کے مذہب پر، جس کی مناظرہ میں ضرورت ہے۔ البتہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ ہم میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ تم کانے ہو تو یہ ضرور نہیں کہ ہم جواب میں یہ ثابت کریں کہ تم اندھے ہو۔ بلکہ یہ کہنا محض کافی ہوگا کہ اگر ہم کانے ہیں تو تم ہماری اچھی آنکھ کو بند کرلو دیکھو پھر بھی ہم کو دوسری آنکھ سے جس کو تم کانی بتاتے ہو نظر آتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح جو لوگ مناظرہ کرنیوالے ہیں، جنکی دوسرے مذاہب کی اندرونی حالت پر بھی کافی نظر ہے وہ تو یوں بحث کرتے ہیں کہ مخالف نے ان کو کانا کہا اور انھوں نے اسکا اندھا ثابت کر دیا۔ اور

---

(۱) اسی اصول پر اگر رحم بھی اعتدال پر رہے گا تو فائدہ مند ہوگا ورنہ نقصان دہ (۲) مخلوقات میں سب سے اعلی (۳) مخلوقات میں سب سے کم درجہ مخلوق

ہم یہ کرتے ہیں کہ اپنا بے عیب ہونا ثابت کر دیتے ہیں ہم کو مناظرہ کا زیادہ شوق نہیں بس ہم کو تو پرانا ڈھنگ آتا ہے اور یہی کافی ہے۔ علاوہ ازیں سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہم کو تو خدا اور رسول ﷺ کے حکم کا اتباع کرنا ہے۔ اور کسی کے جرح قدح(۱) سے کیا مطلب۔

باقی میں نے جو مخالفین کے شبہات کا کچھ جواب دیدیا ہے یہ محض تبرع(۲) ہے۔ کیونکہ بعض ناواقف مسلمان ان سے متاثر ہو جاتے ہیں اور یہ ان کی قوت اسلامی کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ ورنہ اگر جاہل مسلمان بھی پکا مسلمان ہو تو قیامت تک کسی فلسفی کے باپ سے بھی متاثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کو حضور ﷺ سے محبت ہوتی ہے اس کے پاس تمام اعتراضوں کا ایک جواب یہ ہوتا ہے کہ احمق ابھی تو حضور ﷺ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اپنے جانور ذبح کر دو، بخدا اگر حضور ﷺ ہمیں یہ حکم دیتے کہ اپنی اولاد اور بیبیوں کو ذبح کر دو تو ہم کو اس سے بھی دریغ نہ ہوتا۔ ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم ونحن انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیراً لھم واشد تثبیتا(۳)۔

قربانی کا پورا جانور پل صراط کی سواری ہوگا

اس موقع پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ہے وہ یہ کہ ایک شخص تھے کہ ایام قربانی میں جانور ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ اسکی قیمت خیرات کر دیا کرتے تھے۔ کسی رات کو وہ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ میدان قیامت برپا ہے اور پل صراط قائم ہے اور

(۱) بحث تمحیص (۲) احسان (۳) اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا اور اگر یہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا۔ سورۃ النساء آیت ۶۶

دوسرا کنارہ پر جنت ہے بہت لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر پل صراط کو طے کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہ شخص حیران اور پریشان کھڑا ہے کہ میں کس طرح گذروں نہ میرے پاس سواری ہے نہ اور کوئی حیلہ(۱) ہے اور یہ شخص یہ بھی سوچ رہا تھا کہ یہ سواریاں لوگوں کے پاس کہاں سے آتی ہیں اور کون دیتا ہے اچانک آواز آئی۔ کہ یہ سواریاں ان لوگوں کی ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنے لئے تیار کی تھی۔ یعنی یہ سواریاں قربانی کے جانور ہیں چونکہ تم قربانی نہیں کرتے ہو لہٰذا تم سواری سے محروم ہو۔ جب آنکھ کھلی بہت متاثر ہوئے اور قربانی نہ کرنے سے توبہ کی۔ اور قربانی کرنے لگے۔ صاحبو! قربانی کا نتیجہ ظاہر ہے حدیث میں اس کی صراحت(۲) ہے۔

صاحب وسعت ایک سے زائد حصہ قربانی کرے

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ گھٹیا جانور کی قربانی کرتے ہیں حالانکہ قربانی بجائے اولاد کے ہے جیسا کہ بناء قربانی کا واقعہ اس پر شاہد ہے اس لئے چاہئے کہ عمدہ سے عمدہ جانور کی قربانی کی جاوے۔ غرض یہ ہے کہ اچھا جانور ذبح کرنا چاہئے بعض ایسا کرتے ہیں کہ باوجود وسعت کے ایک ہی جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ اگر کسی کو وسعت کافی ہو تو اسکو چاہئے گو واجب نہیں مگر آخر حقوق بھی کوئی چیز ہیں اس بناء پر مناسب ہے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرے اور ایک قربانی حضورﷺ کی طرف سے کرے۔ آپؐ کو امت کے ساتھ کیسی محبت تھی کہ آپ اپنی

(۱) طریقہ (۲) نسمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم (اپنی قربانی میں فربہ جانور کیا کرو اسلئے کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی)

طرف سے تو قربانی کرتے ہی تھے ایک قربانی زیادہ کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے کہ جو کہ میری امت میں سے قربانی کی وسعت نہیں رکھتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ عن محمد و امتہ اور ایک روایت میں ہے ھذا عمن آمن بی و صدقنی (بکذا فی جمع الفوائد) دیکھئے کیسی محبت تھی حضور ﷺ کو ہمارے ساتھ۔ حالانکہ ہم اس وقت موجود بھی نہ تھے مگر آپ کو ساری امت سے غائبانہ محبت تھی۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود لطف تو ناگفتہ ما می شنود

ادائے حق محبت عنایتے ست زدوست وگرنہ عاشق مسکیں بہ ہیچ خورسندست (۱)

قربانی کے گوشت اور کھال کی تقسیم میں احتیاط

ایک ضروری مسئلہ یہ ہے کہ قربانی میں اتباع رسم جائز نہیں۔ مثلاً پائے کسی کے۔ اور سری کسی کی، کھال کسی کی، یہ بالکل خلاف شرع ہے۔ ہم تو ایسا کرتے ہیں کہ نائی سقہ (۲) وغیرہ کو اس کی محنت کی مزدوری الگ کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کبھی بطور ہدیہ (۳) کے سر بھی دیدیتے ہیں اور کہہ بھی دیتے ہیں کہ تمہارا حق نہیں علی ہذا القیاس (۴) بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ قربانی کی کھال مسجد کے ملا کو دیدیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا حق خدمت ہے یہ بھی جائز نہیں۔ اسمیں بھی وہی صورت کرنا چاہئے کہ انکا حق الخدمت علیحدہ ہونا چاہئے۔ اور کھال کے اندر آپ مختار (۵) ہیں کبھی ان کو دے دیجئے اور کہہ دیجئے یہ آپ کا حق نہیں اور کبھی نہ دیجئے۔ اور جب ملا کو مسجد میں رکھیں تو اسی وقت صاف کہہ دیں کہ تم کو کھال نہ ملے گی باجود اس کہنے کے پھر اگر دے دی تو جائز ہے غرض کبھی دے دو اور کبھی نہ

---

(۱) نہ ہم تھے نہ ہمارا تقاضا ہی تھا تیرے لطف نے ہمیں بغیر مانگے ہی نواز دیا محبت کا حق ادا کرنا دوست کی عنایت ہے وگرنہ مسکین عاشق کے پاس تو کچھ نہ بھی ہو تب بھی راضی رہتا ہے۔ (۲) ماشکی (۳) گائے کی سری (۴) اسی طرح (۵) آپ کو اختیار ہے

دو۔التزام ہی سے ذہنوں میں یہ حق ہوگیا ہے۔

پیر کی خدمت میں ہدیہ لے جانا ضروری نہیں

جیسے آجکل مریدین پیر کی نذر کو اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہیں یہ بھی خلاف قاعدہ ہے بلکہ مضر ہے کیونکہ پیر کو اس کی عادت ہو جاتی ہے اور یہ عادت موجب اشراف نفس(۱) ہے جو پیر کے لئے مضر ہے یہ کیا انصاف ہے کہ وہ تو تمہارا دین سنواریں اور تم ان کو بگاڑو۔ اور اس سے پیروں کو بہت نقصان پہنچتا ہے پیر کے دل میں دنیا طلبی آجاتی ہے اور وہ رنگ ہو جاتا ہے کہ جیسا ایک قصہ ہے کہ ایک مرید نے اپنا خواب پیر سے بیان کیا کہ حضرت میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری انگلیاں پاخانہ میں بھری ہیں اور آپ کی انگلیاں شہد میں بھری ہوئی ہیں۔ پیر جی خوش ہو کر بولے کیوں نہ ہو تو دنیا دار ہے اور ہم پرہیز گار ہیں۔ مرید نے عرض کیا کہ حضرت اس سے آگے کچھ اور بھی دیکھا ہے پیر صاحب نے کہا وہ کیا؟ مرید نے عرض کیا کہ حضرت وہ یہ ہے کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی۔ تب پیر صاحب بہت شرمندہ ہوئے۔ تو اس کی تعبیر یہ تھی کہ پیر تو مرید سے دنیا حاصل کر رہا تھا اور مرید پیر سے دین حاصل کر رہا تھا۔ اور پیروں میں یہ دنیا طلبی کا مضمون زیادہ تر مریدوں کے التزام ہدیہ سے آتا ہے اس کو ترک کر دینا چاہئے۔ اسی طرح مسجد کے ملا کو التزاما کھال نہ دو۔ ورنہ وہ اسکو اپنا حق سمجھ کر پھر تمہاری کھال کھینچے گا۔

---

(۱) دل میں کسی بات کے حاصل کرنے کا تقاضا پیدا ہوگا

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا بہترین طریقہ

باقی رہا گوشت کا حکم تو اسمیں اختیار ہے آپ جس کو چاہیں دیں خواہ غنی کو خواہ فقیر کو سب جائز ہے۔ مگر قصائی کو گوشت کاٹنے کی اجرت میں ہرگز نہ دیا جائے۔ کہ یہ اجرت میں داخل ہو کر ثواب اضحیہ(۱) کو باطل کردے گا۔ اور گوشت بانٹنے میں اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے خرچ کے موافق نکال کر باقی فقراء اور عزیز واقارب کو تقسیم کردیا جائے اور ان لوگوں کا لحاظ خصوصیت کے ساتھ زیادہ رکھنا چاہئے جو بوجہ عدم وسعت کے قربانی نہیں کرسکتے۔ اور یہ جو آج کل ادلا بدلا(۲) ہوتی ہے۔ یہ تو بالکل ہی خلاف عقل ہے جب ان اہل مبادلہ میں ہر شخص کے یہاں قربانی ہوتی ہے تو پھر ایک دوسرے کے یہاں خوامخواہ ہی بھیجنا ہے۔ الا ان یکون لحم احدھما اطیب واز کی فلا باس بارساله الی صدیقه الذی قد ضحی (۳) (جامع) فقط واٰخر دعونا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلی اله و اصحابه اجمعین

---

(۱) قربانی (۲) یعنی جس کے گھر سے گوشت آیا اس کے گھر ضرور بھیجیں (۳) ہاں اگر یہ ہو کہ کسی ایک کی قربانی کا گوشت اچھا اور عمدہ ہو تو پھر اپنے ایسے احباب کے یہاں قربانی کا گوشت بھیجنے میں کوئی حرج نہیں جس کے گھر میں قربانی ہوئی ہو۔ فقط خلیل احمد تھانوی ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ

Composed by: ALI COMPOSER & DESIGNER

291.Kamran Blk.A.I Town. LHR. Ph#.5414385